نحوی قواعد کی جملہ تحقیقات پر فکر و نظر
کو چونکا دینے والی اولین مستند کتاب

حل مشکلات النحو

ترتیب و تحقیق
محمد ہارون ثاقب بھاگلپوری
فاضل دارالعلوم دیوبند فاضل اتر پردیش لکھنؤ بورڈ یوپی
مدرس مدرسہ سعید العلوم بھکا، پورہ مفتی الٰہ آباد

دار الاشاعت دیوبند

نحوی قواعد کی جملہ تحقیقات پر فکر ونظر کو چونکا دینے والی اولین مستند کتاب

حل مشکلات النحو

مکمل و مدلل

ترتیب و تحقیق

محمد ھارون ثاقب بھاگلپوری

فاضل دار العلوم دیوبند، فاضل اتر پردیش لکھنؤ بورڈ (یوپی)

مدرس مدرسہ سعید العلوم بہکا، پورہ مفتی، الہ آباد

دار الاشاعت دیوبند

تفصیلات

نام کتاب ...... حل مشکلات النحو مکمل ومدلل

ترتیب وتحقیق ...... محمد ہارون ثاقب القاسمی دریاپوری

صفحات ۱۹۲

تعداد ...... گیارہ سو(۱۱۰۰)

سن اشاعت ...... ستمبر ۲۰۰۵ء

کمپوزنگ ...... کریسینٹ کمپیوٹرس، ابوالمعالی دیوبند

فون: 01336-223183,224729

قیمت ......

ناشر ...... دارالاشاعت دیوبند۔247554

فون رہائش: 01336-22469

فون آفس: 01336-223266

فیکس: 01336-223266

موبائل: 09359210244

ملنے کے پتے

☆ دارالاشاعت دیوبند ☆ کتب خانہ حسینیہ دیوبند

☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند ☆ دارالکتاب دیوبند

انتساب

میں اپنی اس حقیر کاوش کو باب العلم شیر خدا زوج بتول بانی علم نحو حضرت علیؓ کے نام، جن کی معمولی سوچ وفکر نے فن نحو کو عدم سے وجود اور درس نظامیہ کے لیے تانا بانا کی حیثیت بخشا اور اسلاف واکابرین کا مرکز دیرینہ رومؔی وغزالؔی کا آئینہ بلند افکار ونظریات کی حامل عظیم دینی دانشگاہ مادر علمی دار العلوم دیوبند کے نام جس کی خوشگوار آغوش وسدابہار گلشن میں رہ کر علوم وفنون کے جام ومینا سے چند قطرات نوش کر کے علمی توانائی حاصل کی اور استاذ محترم حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم (خلیفۂ مجاز بیعت حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ) مہتمم مدرسہ بیت المعارف الہ آباد کے نام جن کی بے پایاں توجہات اور مجالس عالیہ نصائح غالیہ سے سرشار ہو کر تصنیف وتالیف کا جذبہ پیدا ہوا، و مشفق استاذ جناب مولانا شبیر احمد صاحب بستوی کے نام جنہوں نے الہ آباد کے تدریسی زمانہ میں ہماری مخفی صلاحیت کو اُجاگر وپہلوئے خفتہ کو بیدار کرنے میں اچھی نمائندگی کی اور ان اساتذہ کے نام جن کے سامنے احقر نے زانوئے تلمذ تہ کیا، اور محترم والدین کے نام منسوب کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں جن کی بیکراں کوشش وسعی پیہم اور بے پناہ عنایات والطاف کے طفیل نوشت وخواند کے ساحل پہ پہنچ کر آج اس لائق ہوا۔

محمد ہارون ثاقب بھاگلپوری (دریاپوری)
فاضل دار العلوم دیوبند وفاضل اتر پردیش لکھنؤ، بورڈ

فہرست عنوانات

اصل کا بیان

وجوہات مختلفہ

وجوہات تسمیہ

ترکیباتِ مشکلہ

فرق کا بیان

اصطلاحات ضروریہ

تعریفاتِ غریبہ

اصطلاحات مفیدہ

قرآنی مشکل صیغوں کی تحقیق

معلومات نافعہ

باسمہ تعالیٰ

تقریظ

حضرت مفتی زین الاسلام القاسمی صاحب دامت برکاتہم

استاذ حدیث مدرسہ بیت المعارف الہ آباد

عزیز محترم جناب محمد ہارون ثاقب قاسمی بھاگلپوری صاحب سلمہ۔ گلستان علم کے ایک شگفتہ پھول اور چمنستان قاسمی کے مہکتے گلاب ہیں جن کے تحقیق وتالیف کی خوشبو طالبین علوم اور شائقین فنون کے مشام جان کو معطر کر رہی ہے۔ ان کے کاوش قلم سے متعدد کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

انہیں کے نگارش خامہ کا ایک نمونہ ''حل مشکلات النحو'' بھی ہے جو پہلے بھی ایک مرتبہ زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔ اب دوبارہ مؤلف حفظہ اللہ کی نظر ثانی کے بعد مزید تحقیقات انیقہ اور درر نادرہ سے مزین ہو کر نظر نواز قارئین ہونے والی ہے۔

کمپوز شدہ مسودہ ناچیز کو برائے مطالعہ عنایت ہوا۔ کہ اس پر چند سطری تاثرات بھی سپرد قلم کر دیئے جائیں۔

تالیف لطیف کو غائرانہ وناقدانہ دیکھنے کا موقع کہاں۔ کہ محققانہ وناقدانہ نظر کے لئے مسائل کا بروقت استحضار اور مراجع کی طرف مراجعت کر سکنے کی سہولت وفرصت درکار تھی۔

البتہ عابرانہ استفادہ کا موقعہ کہیں جستہ جستہ دیکھا گیا کہیں تسلسل کے ساتھ صفحات کے صفحات پڑھتا گیا بات بات میں ائمہ فن کی طرف استناد سے کام لیا ہے کام کی باتوں کو حوالوں سے مستند بنا دیا ہے۔ ''دریا بکوزہ کا مصداق پایا۔'' وہ تحقیقات انیقہ۔ تدقیقات غریبہ اور مسائل عجیبہ جن کا محل علوم وفنون کی وہ عظیم وضخیم کتابیں ہیں جن کو اس فن کا بحر ونہر کہا جاتا ہے۔ حواشی وشروح میں مسطور ومحجوب وہ کنوز مخفیہ جو عام نظروں سے اوجھل ہر کس وناکس کی دسترس سے بالاتر کتابوں کے نایاب وکمیاب دفاتر ہیں عزیز موصوف مولف سلمہ

شکر اللہ سعیہ۔ نے بحر ونہر میں غواصی کی، کنوز مخفیہ کا سراغ لگایا، بکھرے ہوئے منتشر موتیوں کو ایک لڑی میں پروکر ایک قیمتی مجموعہ اردو زبان میں تیار کر دیا۔

اس طرح یہ کتاب افادات کثیرہ پر مشتمل۔ نکات عجیبہ وغریبہ کو حاوی۔ حروف وکلمات کی تشریح۔ قرآنی جملوں کی ترکیب مشکل الفاظ کی تفہیم کو متضمن، اصطلاحات ضروریہ، تراکیب مشکلہ کے بیان سے مرکب اور اخیر میں حرکات ثلثہ والے کلمات کی طویل فہرست سے مزین ہے جس نے فقہ اللغۃ جیسے باریک فن کو بھی حیات نو بخش دیا۔

تحقیق وتدقیق ایک مشکل ودشوار کام ہے نہ جانے کتنے ایام ولیالی جہد مسلسل اور سہر لیالی کی نذر کرنے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مولف موصوف سلمہ اللہ کو جزائے خیر سے نوازے اور اہل علم ارباب ذوق بالخصوص مدارس عربیہ کے ذی استعداد طلبہ کو اس سے بھر پور استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ناکارہ

زین الاسلام القاسمی

خادم التدریس والافتاء

مدرسہ عربیہ بیت المعارف الہ آباد

کلمات دعائیہ

استاذ محترم حضرت مولانا ومفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی

استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

باسمہ تعالیٰ

حامداً ومصلیاً!

مکرم ومحترم جناب مولانا محمد ہارون ثاقب صاحب مدظلہٗ نے زیر نظر رسالہ مرتب کیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو نافع بنائے اور ان کی محنت کو قبول فرمائے۔ آمین

محمد یوسف تاؤلوی

خادم تدریس دار العلوم دیوبند ۲۴/۱۲/۱۴۱۸ھ

تاثر

استاذ محترم حضرت مولانا طریقت حسین صاحب زید مجدہٗ

الحمد للہ والمنۃ کہ عزیز گرامی جناب مولانا محمد ہارون صاحب قاسمی مدرس مدرسہ دار العلوم میل کھیڑلا۔ بھرت پور، راجستھان جو کہ مدرسہ مظاہر الاسلام قصبہ ہردوا گنج۔ علی گڑھ کے ہونہار فیض یافتہ تلامذہ میں سے ہیں اور یہاں کے سابق استاذ بھی۔ عزیز موصوف اگرچہ شروع ہی سے علمی ذوق کو اوڑھنا بچھونا بنانے کے ساتھ تصنیف و تالیف کا کام کرتے رہے ہیں چنانچہ کئی مقالات و مضامین طبع ہو چکے ہیں جو بے حد مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔

مزید برآں۔ عزیز موصوف کی تالیف کردہ زیر نظر کتاب مسمّٰی بہ ''عمدۃ التحقیقات'' اپنے وقت اور فن کی نادر المثال کتاب ہے عزیز موصوف نے مجھے مسودہ من وعن پڑھ کر بتایا جس کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ موصوف کی یہ کاوش اور عرق ریزی ان مبتدی اور شوقین طلبہ اور علم دوست حضرات کو نفع بخش ثابت ہوگی چونکہ جن کی نظر مطولات پر نہیں ہوتی اپنی مجبوریوں کے موجب وقت ان کو اجازت نہیں دیتا۔

بہر حال۔ ایسے سعادت مند قوم کے سرمائے کے حق میں دعاء گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو اخلاص کی دولت سے نوازے ان کی اس محنت کو قبول فرمائے۔

''ایں دُعا از من واز جملہ جہاں آمین باد''

طریقت حسین مظاہری

مہتمم جامعہ مظاہر الاسلام قصبہ ہردوا گنج علی گڑھ

۱۴/۲/۱۴۲۰ھ

تقریظ

جناب مولانا محمد راشد صاحب دامت برکاتہم

دارالعلوم میل کھیڑالا بھرت پور راجستھان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زیر نظر رسالہ مسمیٰ بعمدۃ التحقیقات حضرت مولان محمد ہارون ثاقب صاحب مدظلہ کا تالیف کردہ ہے موصوف کو زمانۂ طالب علمی سے ہی لکھنے کا ذوق رہا ہے کئی مقالات ومضامین طبع ہو چکے ہیں رسالہ کا مسودہ حضرت مولانا نے مجھے دیکھنے کے لئے دیا، میں نے اپنے فائدہ کے لئے اسے پڑھ ڈالا میں سمجھتا ہوں کہ مبتدی طلبہ اوران شوقین حضرات کے لئے یہ رسالہ مفید معلومات بہم پہنچائے گا جن کی نظر مطولات پرنہیں ہے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی محنت کو قبول فرمائے طلبہ اور علم دوست حضرات کے لئے بارآور فرمائے۔ آمین

محمد راشد غفرلہٗ

مدرس دارالعلوم محمدیہ میل کھیڑلا بھرت پور راجستھان

۲۷ر مئی ۱۹۹۸ء

عرض مؤلف

بسم اللّٰہ وَحْدَہٗ والصَّلوٰۃُ وَالسَّلامُ علیٰ مَنْ لَّانَبِیَّ بَعْدَہٗ

علوم آلیہ میں نحو، صَرف نہ صِرف یہ کہ بہت اہمیت وافادیت کے حامل ہیں بلکہ دوباز واور خشتِ اول کی حیثیت رکھتے ہیں چنانچہ علوم مقصودہ وفنون عالیہ کے لئے مبنیٰ واساس کی طرح ان کی ایک ناگزیر ضرورت سمجھی جاتی رہی ہے راقم الحروف کا زمانہ طالب علمی ہی سے مذکورہ فنون سے زیادہ شغف وانہماک رہا اور سدا ان کے اسرار ونکات کی جستجوئے تحقیق کے تگ ودو وتاز مسلسل میں رہا اگر چہ علماء فحول نے ضوابط وقواعد پر کافی حد تک چھوٹی بڑی کتاب لکھ کے قابل ستائش خدمت انجام دی مگر چونکہ اسرار ونکات کے موضوع پر کوئی مستقل کتاب نہ تھی اور کسی زمانہ میں جو تھی وہ اوراق پارینہ میں تبدیل ہوکر عنقاء بن گئی جس کی بناء پر ان علوم سے رغبت ودلچسپی میں بجائے اضافہ کے دن بدن بے اعتنائی پائی جانے لگی اور سطحی نظر سے تحصیل علوم کو معیار عبور سمجھا جانے لگا، ان ہی نازک حالات کے پیش نظر اسرار ونکات کے بحر ذخار میں غوطہ زن ہوکر مستند کرم خوردہ کتابوں سے ملخص کر کے منتشر اور بکھرے ہوئے موتیوں کو زیر نظر کتاب مسمیٰ عمدۃ التحقیقات المعروف بہ نحو وصرف کے اسرار ونکات کی لڑی میں پرویا تاکہ افادۂ عام کے ساتھ ذوق ودلچسپی میں جذبۂ بیدار کا باعث بنے اس موقعہ پر وہ حضرات لائق امتنان وتشکر ہیں جنہوں نے مدح سرائی کرتے ہوئے تائیدی نقوش ثبت کر کے کتاب کے حسن کو دوبالا کیا اور ہماری اس تحریر کو جلا بخشا جو کہ حوصلہ بالیدگی وہمت افزائی کا مظہر ہے بالخصوص مخلص ومشیر جناب مولانا محمد راشد صاحب قاسمی کا رہین منت اور سپاس گذار ہوں کہ انہوں نے اوقات ثمینہ میں نہایت عرق ریزی ومستعدی کے ساتھ کتاب کی نظر ثانی کی اور اپنی تمام تر مصروفیات وگوناگوں مشغولیات کو بالائے طاق رکھ کر اس امر مہم کی تکمیل کے لئے پا بہ رکاب رہے

اور صلاحیت ولیاقت کے بل بوتے دقت نظر ودور رس نگاہ سے بالاستیعاب مطالعہ کر کے کتاب کی تصحیح کی اور جابجا موصوف نے اہم مقامات کی نشاندہی کرتے ہوئے اپنے کو بالغ النظر وصاحب علم باور کرایا اور موقعہ بموقعہ زریں مشوروں اور دوش ناتوان پر لدے ہوئے بارگراں کی تخفیف میں معاونت کرتے رہے۔

اگرچہ میں نے اس کتاب کی مدلل تدوین وتنقیح مسائل میں اپنی استطاعت کے مطابق پوری پوری سعی کی مگر چونکہ بعض احباب کی فرمائش ومسلسل اصرار سے کوتاہ وقت میں تالیف کا جامہ پہنانے اور مجھ میں کم علمی وبے بضاعتی کا وجدان اور استعداد وملکہ کا فقدان ہونے کی بناء پر کوئی فروگزاشت نظر آئے تو ازراہِ کرم ناظرین وارباب علم حضرات ؎

بپوش گر بخطائے رسی وطعنہ مزن　　　که ہیچ نقش بشر خالی از خطا نبود

اور "اَلْاِنْسَانُ مُرَکَّبٌ مِنَ الْخَطَاءِ وَالنِّسْیَانِ" کے مدنظر صحیح تحقیق سے مطلع کر کے ممنون فرمائیں خالق لوح وقلم سے دعاء ہے کہ احقر الوریٰ کی اس حقیر تصنیف کو مقبول تام ومتداول عام اور علم دین کی خدمت واشاعت کرنے والوں کے زمرہ میں ہمارا بھی نام شامل فرما کر آخرت میں سرخروئی اور نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین

؎ گر قبول افتد زہے عز وشرف

محمد ہارون ثاقب القاسمی بھاگلپوری (دریاپور)
فاضل لکھنؤ بورڈ ایم، اے علیگ

۱/۱/۱۴۱۹ھ ۱۹/۴/۱۹۹۸ء

دیباچہ طبع دوم

حامداً ومصلیاً وبعد! نحوی وصرفی قواعد کے اسرار ونکات، تحقیقات وتدقیقات ودیگر متعلقہ بیش ونادر معلومات پر مشتمل عمدۃ التحقیقات مکمل مدلل، نامی کتاب چند سال قبل زیر وطباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آئی تھی اس موضوع پر اردو زبان میں اولین کتاب ہونے، حاملین علم نحو وصرف کے لئے ازدیاد صلاحیت وافزائش لیاقت کا سامان فراہم کرنے اور متنوع مضامین کی جدت وندرت کا بیش قیمت اثاثہ ثابت ہونے کے موجب اہل علم حضرات نے توقعات سے زیادہ داد تحسین سے نواز کر جدید ایڈیشن کا تقاضا کیا وللہ الحمد، شکر الٰہی سے ہماری زبان اور قلب سرشار ہے کہ مجھ جیسے ناسمجھ وکم علم انسان کی چھوٹی کتاب طباعت دوم کے ذریعہ اب ’’حل مشکلات النحو‘‘ کے نام سے اہل علم کے تقاضے کو پوری کرنے جارہی ہے۔

چنانچہ طبع دوم کے تقاضہ نے مزید سابقہ عنوانات سے متعلق مضامین ودیگر معلومات کے اضافہ کرنے کا دستک دیا بفضل اللہ کافی جدوجہد اور سعئ پیہم کے بعد تحقیقات جدیدہ ومعلومات نافعہ کا وافر حصہ جزو کتاب بنا کر اغلاط کی تصحیح بھی کردی گئی جس کی بناء پر پہلے سے کہیں زیادہ عمدہ، دلکش وگرانقدر کا آئینہ دار ہوگئی ہیں امید ہے کہ اہل علم مزید محظوظ ہوں گے۔

مشفق وخیر اندیش واجب الاحترام حضرت مولانا ومفتی زین الاسلام قاسمی صاحب مدظلہ استاذ حدیث وفقہ مدرسہ بیت المعارف الہ آباد کا صد ہزار شکریہ کہ انہوں نے میری درخواست پر تدریسی مصروفیات وعلمی مشغولیات کے باوجود فکری۔ ادبی۔ معنوی تقریظ لکھ کر میرے متزلزل حوصلے کو بحال کرنے کے ماسوا کاروان علم میں اثر انگیز نغمہ سنا کر اس علم سے رغبت ودلچسپی کی تلقین کا فریضہ انجام دیا اور دقت نظری کے ساتھ نظر ثانی فرمائی اور زریں فکر وآگہی سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے۔

نیز برادر خورد عزیزم مولوی محمد عزرائیل شبلی سلمہ متعلم شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند قابل ستائش ہیں کہ اپنی تعلیمی پیش رفتگی کے ساتھ کتاب ہٰذا کو خوب سے خوب تر بنانے اور جلد از جلد منظر عام پر لانے کی جدوجہد کرتے رہے اور وقتاً فوقتاً اپنی یارآور رائے بھی دیتے رہے اللہ رب العزت محسنین ومعاونین کو بہترین صلہ عطاء فرمائے اور اس کتاب کو ارباب علم میں مقبول عام ومفید تام بنا کر ہمارے لئے زاد آخرت بنائے۔ آمین یارب العٰلمین

۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ　　　　محمد ہارون ثاقب القاسمی
مدرس مدرسہ سعید العلوم بھکا، پورہ مفتی، الہ آباد

اصطلاحی رموز وکنایات کی تشریح

غق سے مراد — غایۃ التحقیق	ع سے مراد — موضع، فی کتب اللغۃ	ن سے مراد — نسخۂ اخریٰ
ج سے مراد — غایۃ جواب	م سے مراد — متوسط شرح کافیہ	م سے مراد — متن
ج سے مراد — جمع	عط سے مراد — عطف	مت سے مراد — متعلق
تح سے مراد — تحقیق	عف سے مراد — عطف	مح سے مراد — محال
ح بالتنوین سے مراد — حینئذ	ف سے مراد — فائدہ	لا یخ سے مراد — لا یخلو
جج سے مراد — جمع الجمع	خلف سے مراد — خلاف مفروض	لا نم سے مراد — لا نسلم
ش سے مراد — شرح الهامیہ	بط سے مراد — باطل	الظہ سے مراد — الظاہر
د سے مراد — درایۃ النحو	المص سے مراد — مصنف	مم سے مراد — ممنوع
فوائد سے مراد — فوائد ضیائیہ	الخ سے مراد — الیٰ آخرہٖ	ہ سے مراد — ھٰہنا
س سے مراد — سوال	اھ سے مراد — انتہیٰ	ھف سے مراد — ہٰذا خلف
ش بالمعجمہ سے مراد — شرح	ص سے مراد — صغیر	مکد سے مراد — من کل واحد
الشہ مراد — الشارح	ک سے مراد — کبیر	یقہ سے مراد — یقال
ص سے مراد — اصل	کک سے مراد — کذالک	ج سے مراد — شرح جلال الدین
صح سے مراد — صحیح	لہ سے مراد — بدلہ	ح سے مراد — شرح الحنفیہ
غ سے مراد — غایۃ التحقیق	لۂ سے مراد — بدلہ	۱۲ سے مراد — "حد" کا عدد بمعنی تکمیل
غ سے مراد — غایۃ البیان	رضی سے مراد — شرح کافیہ رضی	اس عدد کا استعمال گفتگو مکمل کرنے پر کیا جاتا ہے جیسا کہ عربی کتب میں رائج ہے۔

اصل کا بیان

اسم کی اصل

بصریین کہتے ہیں کہ اسم کی اصل یعنی (مشتق منہ) سَمْوٌ ہے واؤ کو بغیر کسی قاعدہ کے تخفیف کے باعث حذف کردیا اور ہمزۂ وصل کو افتتاح کرنے کے لئے شروع میں لے آئے اور حرف اخیر کو اجتماع ساکنین کی بناء پر حرکت دیدی گئی، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ سموٌ کے آخری حرف کا حذف ید اور دم کی طرح ہے، دونوں میں دو حروف باقی رہے اور دونوں کا اول متحرک اور ثانی ساکن تھا لہٰذا جب ساکن کو حرکت دی گئی تو وہ متحرک ہوگیا اسی پر قیاس کرتے ہوئے اسم کو اسماء محذوفۃ الاعجاز میں سے مانا گیا ہے، کوفین اسم کی اصل وَسْمٌ ہونے کے قائل ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ واؤ محض تخفیف کی وجہ سے حذف کردیا گیا اور اس کے عوض میں ہمزۂ وصل لایا گیا اور یہی مشہور ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اسم کے واؤ کو صرف تخفیف کے لئے حذف کردیا اور ابتداء بالسکون سے بچنے کے لئے ہمزۂ وصل لے آئے اور بعض کہتے ہیں کہ اسم سما یسمو دعا ید عو سے ادع کی طرح امر کا صیغہ ہے یا سمی یسمی سے سمِ کے وزن پر صیغہ امر ہے۔ پھر اعراب اور الف لام خواص اسم داخل کرکے اس صیغہ امر کو فعل سے خارج کردیا۔ اصله عند البصريين سموٌ حذف الواو ولمجرد التخفيف بلاقاعدةٍ فادخلت همزة الوصل ..... وقيل حذف اخر السمو كما في يدو دمٍ الخ. (الهدية المختارية ص:۳)

اسم کے مشتق منہٗ کا ثمرۂ اختلاف

اسم کے مشتق منہٗ (یعنی اصل میں بصریین اور کوفیین کا اختلاف ہے جیسا کہ ابھی مذکور ہوا، دونوں گروہ کے اختلاف کا ماحصل اور فائدہ یہ ہے کہ جیسا کہ بصریین حضرات اسم کا مشتق منہ سمو بمعنی علو اور بلندی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یوم ازل سے ہی اسما، اور صفات کے ساتھ موسوم ومتصف ہے یعنی مخلوق کو وجود میں لانے سے پہلے اور اس کے بعد حتی کہ سب چیزوں کے فنا ہونے کے بعد بھی بلند و بالا ہے۔ ان کے

اسماء اور صفات میں کوئی اثر نہیں پڑتا، یہی اہلسنت والجماعت کا مسلک و مشرب ہے لہٰذا بصریین نے سمو اصل مان کر صحیح مذہب کی ترجمانی کی اور جو حضرات (جیسا کہ کوفیین) اسم کی اصل وسم بمعنی علامت قرار دیتے ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ یوم ازل سے موسوم و متصف نہیں ہیں بلکہ جب مخلوق کو پیدا کیا تب اللہ کی ذات خلقت کائنات سے اسماء اور صفات سے وابستہ ہوئی اور یہی قول فرقۂ باطلہ امام معتزلہ کا خاتم الرسل اور ملائکہ کے متعلق ہے جو فحش اور اشد غلط عقیدہ ہے، چنانچہ کوفیین نے فرقۂ باطلہ کی تائید میں وسم اصل مانا تا کہ عقیدہ واضح ہو۔ لہ فائدہ وهي من قال انه مشتق من السمو بمعنى الارتفاع والعلو يقول ان الله تعالىٰ لم يزل موسوماً وموصوفاً بالاسمآء ...... ومن ذهبَ الىٰ ان اصله وسم بمعنى العلامة يقول ان اللّٰه تعالىٰ لم يكنِ في الازل موسوماً وَموصُوفاً الخ. (الهدية المختارية ص: ۴)

فائدہ

اساتذہ کو چاہئے کہ اسم کے مشتق منہٗ کے ثمرۂ اختلاف پر طلبا کے سامنے مذکورہ سیر حاصل کلام کرنے کے بعد دونوں مذہب میں سے کسی کے قول کو اپنانے کا زمام اختیار نہ دیں کہ بلکہ خاص طور پر اصل اور مشتق منہٗ میں مذہب بصریین کو راجح قرار دیکر مذہب اول ہی کے مسلک کو درست ٹھہرائیں اور طلباء سے اسی قول کے اپنانے کی تاکید کریں اور مذہب کوفیین کے عندیہ کو مرجوح قرار دیکر اس کو تردید کریں ورنہ اہلسنت والجماعت سے وابستہ طلبا بھی اپنی کم علمی و خورد بینی کی بنا پر مبادا افکار صحیحہ اور نظریات حسنہ سے ہٹ کر عقائد فاسدہ اور اوہام باطلہ کے زاویہ میں آ کر آخرت کو تباہ کر بیٹھیں گے اور انہیں احساس تک نہیں ہوگا اس بحث میں عقیدہ کی بات مضمر ہے لہٰذا اساتذہ کے توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔

محمد ہارون ثاقب دریاپوری

کلمہ امّا کی اصل

... لفظ امّا کی اصل کے بارے میں نحویوں کے مختلف اقوال ہیں جن کو صاحب الہامیہ نے چند مذاہب کے تحت ذکر کیا ہے (۱) خلیل نحوی کہتے ہیں کہ امّا کی اصل مهما ہے، ہاء کو

ہمزہ سے قریب المخرج ہونے کی بناء پر بدل دیا ما ماہوا پھر ہمزہ کو اقتضاء صدارتِ کلام کے پیش نظر دونوں میموں پر مقدم کردیا اور ہمزہ کو حرکت دیدی گئی۔ ام ماہوا پھر میم کو میم میں ادغام کردیا امّا ہوا۔

(۲) خلیل نحوی کے شاگرد امام سیبویہ کہتے ہیں کہ امّا ایک مستقل کلمہ اپنی اصل پر ہے اس لئے کہ یہ حرف ہے اور حرف میں اصل یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا تغیر وتصرف نہ ہو اور یہی قول پسندیدہ ہے۔

(۳) بعض کا کہنا ہے کہ امّا کی اصل اِنْ ہے آخر میں ما زائدہ لے آئے جیسا کہ تمام ادواتِ شرط کے آخر میں آتا ہے پھر قریب المخرج ہونے کی بناء پر نون کو میم میں ادغام کردیا اِمّا بالکسر ہوا اور اِمّا تردیدیہ کے ساتھ التباس سے بچنے کے لئے ہمزہ کے کسرہ کو فتحہ سے بدل دیا گیا۔

(۴) بعض کہتے ہیں کہ اَمّا کی اصل ماَمَا ہے لگا تار دو میم کی کراہت کی وجہ سے اول الف کو ہمزہ سے بدل دیا اور صدارتِ کلام کی بناء پر ہمزہ کو میم پر مقدم کردیا پھر دو میم کو ادغام کردیا امّا ہوا۔

(۵) بعض کہتے ہیں کہ اَمّا کی اصل منما ہے لیکن میم اول اور ہمزہ میں قلب مکانی کرکے میم کا میم میں ادغام کردیا گیا۔ (الہامیہ ص:۱۰)

اَلْمُقَدِّمَۃُ میں دال کا اعراب

لفظ مقدمہ کے تلفظ میں اختلاف ہے کہ اسے مقدمہ بکسر الدال پڑھنا چاہئے یا مقدمہ بفتح الدال، معنوی اعتبار سے جو بات ظاہر اور لوگوں کی زبان زد ہے کہ یہ بالفتح مقدمہ ہے جو باب تفعیل سے صیغہ اسم مفعول ہے بمعنی آگے کیا ہوا لہٰذا بظاہر اس میں کچھ قباحت نہیں لیکن علامہ جار اللہ زمخشری معتزلی صاحب کشاف نے اپنی کتاب فائق میں اور علامہ سکاکی صاحب مفتاح العلوم نے اس میں تصریح کی ہے کہ مقدمہ بالفتح پڑھنا خلف اور باطل ہے۔ اور مقدمہ بالفتح کو باطل قرار دینے کی یہ وجہ بیان کی ہے جو امور اس عنوان کے تحت بیان کئے جاتے ہیں وہ بنفسہٖ متقدم ہیں لیکن بفتح الدال پڑھیں گے تو لازم آئے گا

کہ اس عنوان کے تحت جو امور ذکر کئے جاتے ہیں ان کے مقدم کرنے کے لئے کوئی فاعل ہو اور یہ خلاف واقعہ ہے لہٰذا ان حضرات کی تصریح کے مطابق دوسری صورت بکسر الدال مقدمہ ہونا متعین ہو گیا۔

اعتراض و جواب

بکسر الدال مقدمہ کی صورت میں معنی ہوں گے آگے کرنے والا حالانکہ یہ کسی کو بھی آگے نہیں کرتا بلکہ خود اس کو آگے کیا جاتا ہے اس نقطہ نظر سے یہ بھی غلط اور باطل ہو گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی اپنے پڑھنے والے اور سمجھنے والے کو اس شخص پر مقدم و فائق کرتا ہے جو مقدمہ کو نہ پڑھے اور ایسے تحصیل علم شروع کر دے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں بات تفعیل باب تفعل کے معنی میں ہے بالفاظ دیگر یہ متعدی نہیں بلکہ لازم ہے اور متقدمہ (آگے ہونے والا) کے معنی میں ہے اور اس کی تاء یا تو برائے تانیث ہے اور موصوف اس کا محذوف ہے یعنی " الامور المتقدمة " یا یہ تا وصفیت سے اسمیت کی طرف نقل کرنے کے لئے ہے جیسے علامہ، فہامہ وغیرہ میں ہے اس جواب سے وہ اشکال جو بفتح الدال اور بکسر الدال کی صورت میں پڑتا تھا وہ ختم ہو گیا۔

(الکلام المنتظم ص:۴۱ بتصرف یسیر)

صاحب دستور العلماء کا قول

علامہ عبدالنبی احمد نگری مقدمہ میں اعراب دال کے متعلق اپنی گرانقدر تصنیف "دستور العلماء" میں فرماتے ہیں کہ مقدمہ بفتح الدال یا بکسر الدال دونوں طریقے سے مستعمل ہے۔ المقدمة اِما بكسر الدال اَوْ بفتحها (دستور العلماء ۳/۲۱۴)

مقدمہ کا ماخوذ منہ

مقدمہ مقدمۃ الجیش سے ماخوذ ہے گزشتہ زمانہ میں جب روبرو لڑائی ہوتی تھی تو لشکر کے پانچ حصہ کئے جاتے تھے اور ان کو مقدمہ[۱] قلب[۲]، میمنہ[۳]، میسرہ[۴] ساقہ[۵]، کہا جاتا تھا۔ لشکر کا پہلا حصہ مقدمہ جو سب سے پہلے چل کر جنگ کے لئے موزوں جگہ فراہم کرتا اور اور فوجیوں کے لئے تمام تر سہولیات مہیا کیا کرتا تھا۔

ماخوذ اور ماخوذ منہ میں مطابقت

ماخوذ و ماخوذ منہ میں مطابقت یہ ہے کہ مقاصد کتاب مثل جیش کے ہوئے اور مقدمہ کے ماتحت جو امور و احکام بیان کئے جاتے ہیں وہ انتظام و سہولت کے لئے آگے جانے والوں کے مانند ہوئے چونکہ یہ امور مقاصد میں امداد و تعاون کرتے ہیں جیسے جیش کو مقدمۃ الجیش نصرت اور امداد پہنچاتا ہے لہٰذا جو معلومات کسی کتاب یا فن کو شروع کرنے سے پہلے پہنچائی جاتی ہے ان کو بھی مقدمہ کہتے ہیں تا کہ ان کے ذریعہ کتاب یا فن کو سمجھنے میں سہولت و مدد ملے۔

واؤ الف اور یا کی اصل

مؤلف عذار القرآن لکھتے ہیں کہ حرف علت یعنی واؤ دو ضمہ سے مرکب ہے اور الف دو فتحہ سے اور یا دو کسرہ سے مرکب ہے اِعْلَمْ اَنَّ الْاَلِفَ مُرَكَّبٌ مِنْ فَتْحَيْنِ وَالْوَاوَ مُرَكَّبٌ مِنْ ضَمَّتَيْنِ وَالْيَاءَ مُرَكَّبٌ مِنْ كَسْرَتَيْنِ. (عذار القرآن ص:۵۴ لغزک ص:۱۱۱)

لَنْ ناصبہ کی اصل

امام سیبویہ کہتے ہیں کہ یہ مستقل حرف ہے اس کی کوئی اصل نہیں فراء نحوی کہتے ہیں کہ لَنْ کی اصل لا ہے الف کو نون سے بدل دیا، امام سیبویہ کے استاذ خلیل نحوی فن عروض کے موجد کہتے ہیں کہ اس کی اصل لَا اَنْ ہے الف اور ہمزہ کو کثرت استعمال کی بناء پر حذف کر دیا جیسے اَیُّ شَیْءٍ کو ایش پڑھتے ہیں۔ (درایہ ص:۲۱۵)

ایّان کی اصل

کہا گیا کہ اَیَّانَ لفظ آیَانَ سے مشتق ہے جس کا وزن ہے فعلانَ کیونکہ اس کے معنی اَیُّ وقتٍ اور اَیُّ فعلٍ. اَوَیْتُ الیه سے ماخوذ ہے جس کی وجہ سے بعض وجزء نے کل کی طرف پناہ لی اور اس پر تکیہ کیا ہے مگر یہ قول بعید از فہم ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی اصل اَیّ اوان تھی اوان کا ہمزہ اور اَیّ کی دوسری (یاء) دونوں کو حذف کرنے کے بعد واؤ (اوان) کو یاء سے بدل کر (ایّ کی پہلی) ساکن یاء کو اس میں ادغام کر دیا اس طرح ایّان ہو گیا چنانچہ اس کی قراءت کسرہ ہمزہ کے ساتھ بھی آتی ہے۔ (الاتقان ۱/۴۴۲)

ایا کی سات لغتیں ہیں

ایا کے بارے میں سات لغتیں آئی ہیں اس کو یاء کی تشدید اور تخفیف دونوں صورتوں کے ساتھ مع ہمزہ کے پڑھا گیا ہے۔اور ہمزہ مکسورہ اور مفتوحہ کو ہا(ہ) سے بدل کر بھی اس کی قرأت کی گئی ہے اس طرح کل آٹھ طریقوں پر اس کا تلفظ ہوتا ہے جن میں ایک طریقہ یعنی ہاء کے مشدد اور مفتوح معاً ہونے کا ساقط ہو کر باقی سات طریقے رہ جاتے ہیں۔

(ایضاً ا/۴۲۳)

ایا کے ضمیر ہونے میں علماء کا اختلاف

زجاج نحوی اس کو اسم ظاہر بتاتے ہیں اور جمہور کہتے ہیں کہ یہ ضمیر ہے پھر جمہور نے کئی اقوال کے ساتھ اس کے بارے میں بھی اختلاف کیا ہے جو یہ ہیں اول یہ کہ ایّا اور جو ضمیر اس کے ساتھ متصل ہوتی ہے وہ سب مل کر تمام ضمیر ہی ہوتی ہے۔دوم یہ کہ ایّا تنہا ضمیر ہے اور اس کا مابعد اس سے مضاف شدہ اسم ہے اور اس بات کی تفسیر کرتا ہے کہ "ایّا" سے تکلم غیبۃ اور خطاب کیا چیز مراد ہے جس طرح قولہ تعالٰی فایای فارھبون بل ایاہ تدعون اور ایاک نعبد. میں ہے۔سوم یہ کہ ایا کیلا ہی ضمیر ہے اور اس کا مابعد ایسے حروف ہیں جو مراد کی تفسیر کرتے ہیں۔چہارم یہ کہ ایا عماد (ستون) ہے اور اس کا مابعد اصل ضمیر ہے اور جس شخص نے ایا کو مشتق قرار دیا ہے اس نے سخت غلطی کی ہے۔(ایضاً ا/۴۲۳)

لاتَ کی اصل میں اختلاف

نحویین کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ یہ لفظ مفرد ہے یا مرکب اس کی کیا حقیقت و ماہیت ہے اس سلسلہ میں چار مذاہب ہیں اول، لات اصل میں مفرد ہے فعل ماضی نقص کے معنی میں بھی اسی سے لایلتکم من اعمالکم پھر نفی کے لئے استعمال ہونے لگا جیسے قَلّ نفی کیلئے مستعمل ہے اسی کو ابوذر الخشی اندلسی نے شرح کتاب سیبویہ میں لکھا ہے جس کو ابوحیان اور ابن ہشام وغیرہ نے نقل کیا ہے۔دوم بعض کا قول ہے کہ لاتَ فعل ماضی ہے اور اس کی اصل لیس تھی یاء کو الف سے اور سین کو تاء سے بدل دیا گیا اس طرح لات ہوگیا۔

مذہب دوم: جمہور اہل لغت کا قول ہے کہ لاتَ دو لفظوں سے مرکب ہے (۱) لاء نافیہ (۲) کلمہ کی تانیث کیوجہ سے تاء تانیث زیادہ کی گئی اور پھر اسے التقاء ساکنین کی وجہ سے حرکت دیدی۔ مذہب سوم: ابوعبیدہ اور ابن الطراوہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ تو مرکب ہے مگر لا نافیہ اور تاء زائدہ ہے یعنی اصل لا ہی ہے لیکن مصحف عثمانی میں حِیْنَ سے پہلے ملی ہوئی تالات لکھی ہوئی ہوتی ہے اس لئے تاء کی کوئی حیثیت نہیں مذہب چہارم: لاتَ ایک مستقل حرف ہے اس کی اصل نہ تو لیس ہے اور نہ ہی لا ہے بلکہ وہ لفظ بسیط ہے جو اسی ہیئت موضوع سے شیخ ابوالاسحٰق الشاطبی نے اس کو شرح الخلاصہ میں تحریر کیا ہے اہل عربیت میں اس کے علاوہ کسی نے بطور استقصار ذکر نہیں کیا۔

(الاتقان ۱/۲۶۵ تاج العروس: ۳/۱۳۰ بیروت، مفردات القرآن ص: ۷۴۹، دمشق، تفسیر ابی سعود ۷/۲۱۴)

ابوعبیدہ کے دلیل کی تردید

بعض لوگ شیخ ابوعبیدہ و ابن الطراوہ کے دلیل کی تردید کرتے ہیں جس کو انہوں نے کہا ہے کہ مصحف عثمانی میں تاء کو لفظ حین کے ساتھ لکھا ہوا دیکھا ہے صاحب تاج العروس تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ کوئی دلیل نہیں کیونکہ رسم الخط میں خارج از قیاس شئی ہوتی ہے۔

جمہور مسلک کی تائید

موقف جمہور کی تائید میں کہتے ہیں کہ کوفیین لَاتَ کی تاء کو اسماء کی طرح اور ہاء پر وقف کرتے ہیں اور بصریین افعال کی طرح تاء کے ساتھ وقف کرتے ہیں اور حین سے علیحدہ لکھا بھی جاتا ہے اور اس کی تاء اصل التقاء ساکنین کے باعث کبھی مکسور بھی ہوتی ہے اور جیرِ کی طرح مکسور پڑھا جاتا ہے جب کہ ماضی میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ (تفسیر ابی سعو ۷/۲۱۴)

صاحب تاج العروس اپنی رائے پیش کرتے ہیں کہ اس میں ضمہ کی قراءت بھی منقول ہے لہٰذا فتحہ باعث اخف ہے جو کہ مستعمل ہے اور کسرہ التقاء ساکنین کے مطابق ہے اور ضمہ اس کمی کی تلافی کے لئے ہے جو کہ دو معمولوں میں سے ایک حذف معمول سے لازم

آئی تھی! بدرالدین دمامینی نحوی شرح المغنی میں لکھتے ہیں کہ لَاتَ کی تاء مثلث ہے اگرچہ لوگ اس سے ناواقف ہیں۔

(قاله البدر الدماميني فی شرح المغنی فهی مثلثة التاء وان اعقلوه! تاج العروس ۱۳۱/۳ بیروت)

امام رازی کا قول

خلیل وسیبویہ نحوی کا خیال ہے کہ لَاتَ میں لامشابہ بلیس ہے تاء تانیث زائد کردی گئی جیسے رَبَّ اورثم میں تاکید کے لئے کرتے ہیں اسی زیادتی کی وجہ سے اضافی قوائد بن گئے کہ لاتَ حین پرہی داخل ہوگا اوردوجزوں میں سے صرف ایک جزء یاتواسم یاتوخبر ظاہر ہوگا ایک ساتھ دونوں کا اظہار ممنوع۔

اخفش نحوی کہتے ہیں کہ لا نافیہ جنس ہے تاء کی زیادتی محض نفی احیان کی تخصیص کے لئے ہے جمہور تاء پروقف کرتے ہیں اور کسائی مؤنث سماعیہ کی طرح ہاء پر صاحب کشاف کہتے ہیں کہ ابوعبیدہ کا عندیہ حین پردخول تاء ہے اور استشہاد میں کہ تاء مصحف عثمانی میں درج ہے جواب دیتے ہیں کہ اس میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو قواعد خط سے خارج ہیں لہذا اسکو دلیل بنانا درست نہیں" واستشهاده بان التاء لمتفرقة بحين في مصحف عثمان فضعيف فكم وقعت فى المصحف اشياء خارجة عن قياس الخط الخ."

(تفسیرالرازی ۲۶/۶ ۷اطہران، تفسیرالکشاف ۳۱۶/۳ بیروت)

لَاتَ کے عمل کے متعلق اختلاف

اس سلسلہ میں بھی چار مذاہب ہیں، مذہب اول امام اخفش نحوی کہتے ہیں کہ یہ کچھ بھی عمل نہیں کرتا اس لئے اگر اس کے بعد کوئی مرفوع آئے تو وہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف اور جب منصوب واقع ہوتو کسی فعل ناصب محذوف کیوجہ سے منصوب ہوا ہے چنانچہ نصب کی صورت میں لَاتَ حینَ مناص کی تقدیری عبارت لااری حین مناصِ ہوگی اور رفع کی صورت میں لات حین مناصٍ کائنٌ لھُم.

مذہب دوم: اخفش کا دوسرا قول اور کوفیین کا یہ ہے کہ وہ ان ناصب اسم کا عمل کرتا ہے۔

مذہب سوم: فراء نحوی کہتے ہیں کہ لاتَ حرف جر ہے اس کو شیخ رضی اور ابن ہشام وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

مذہب چہارم، جمہور کا قول ہے کہ وہ لیس کا عمل کرتا ہے لیکن ابن ہشام نے دو شرط لگائے ہیں اول یہ کہ اس کے دونوں معمول اسم زمان ہو دوم اور ان دو میں سے ایک حذف ہو۔

(تاج العروس ۳/۳۱ا بیروت، الاتقان ۱/۴۶۵ لاہور)

لمّا کی اصل

بعض لوگ قائل ہیں کہ لمّا مصدر ہے اصل میں لمًّا تھا بمعنی جمعًا تنوین گرادی گئی بعض لوگ کہتے ہیں کہ لمّا بروزن فعلیٰ صفت کا صیغہ لَمٌّ سے جمع کرنے والا رسم الخط کے لحاظ سے لمّی لکھنا چاہئے لیکن یٓ کو بصورت الف لکھا جاتا ہے بعض بال کی کھال نکالنے والے کہتے ہیں نمّا کی اصل لمن ما تھی نون گرا کر میم کو ادغام کردیا۔ ایک چھان بین کے ماہر دوربیں کہتے ہیں کہ لَمّا اصل میں لَنْ ما تھا (علامہ سیوطی نے بھی علامہ زمخشری کی کتاب الفائق بحوالہ ابن جنی لکھا ہے کہ لمّا لم اور ما سے مرکب ہے) استشہاد میں شاعر کا ایک شعر پیش کرتے ہیں۔

لَمّا رأیت ابا یزید مقاتلاً

اَدَعَ القتالَ واشهد الهيجاءَ.

استشہاد غلط ہے حقیقت میں یہ ایک معمہ اور لغز ہے لمّا اصل میں لَنْ مَا ضرور تھا لیکن ماؔ بمعنی مَا دَامَ ہے اور لَن کا معمول اَدَعَ اور اشهد سے پہلے اَنْ مصدر یہ محذوف ہے جس کا عطف القتال پر ہے شاعر کہتا ہے کہ جب میں نے ابو یزید کو لڑتے ہوئے دیکھ لیا تو اب میں لڑائی اور لڑائی میں حاضر ہونے کو ترک نہیں کرسکتا۔ (لغات القرآن ۵/۲۲۶) علامہ جوہری وزبیدی کہتے ہیں کہ اس کی اصل لم ہے ما داخل کردیا گیا۔

(الصحاح ۵/۲۰۳۳ بیروت، الاتقان ۱/۴۶۷ لاہور، تاج العروس ۱۷/۲۶۰)

لَعَلَّ کی لغات

علامہ جوہری لکھتے ہیں کہ اس کی اصل عَلَّ ہے اس کے شروع میں لام کا اضافہ ہوا ہے چنانچہ استشہاد میں شاعر کا شعر پیش کرتے ہیں

یقول اناسٌ عل مجنون عامرٍ
یرُوُمُ سُلُوَّا قُلُتُ انی، لما بیاء

شیخ زبیدی اس قول کونقل کرنے کے بعد استشہاد میں ابن بری کا شعر جو نافع بن سعد الغنوی کے لئے پڑھا تھا پیش کرتے ہیں

ولستُ بلوامٍ علی الامر بعدماً
یفوت ولکن عَلَّ اَنُ اتقدما

لَعَلَّ میں مختلف تغیرات ولغات میں علامہ زبیدی نے اٹھائیس لغتوں کو بیان کیا ہے وہ یہ ہیں۔ عَنَّ غنَّ اَنَّ لَاَنَ لَوَنَّ رَعَلَّ لَعَنَّ لَغَنَّ رَغَنَّ اوراضافت یاء متکلم کی صورت میں عَلَّیءَ عَلَّنِی لَعَلِّی لَعَلِی لعلنِّیَ لَعَلَنِّیُ لعبنی لَغَنِنِی لَغَنَّنِیُ لَغَنِّیُ لَغَنِیُ لَنِّیُ لَوَنِّیُ لَوَنِّیُ لَأَنِّیُ لَاَنَّنِیُ اَنِّیُ اَنَّنِی اَنَّنِی رَغَنِّی رَغَّنِنِّی لَعَلُ لعلَ عَلَّ (تاج العروس ۱۵/۶۷۷ بیروت، الصحاح ۱۸۱۵/۵ بیروت)

کَمُ استفہامیہ وخبریہ کی اصل

امام نحو کسائی سے مروی ہے کہ کَمُ کی اصل کَمَا تھی پھر بم اور لِمَ کے طریقہ پر اس کا الف حذف کردیا گیا یہ قول زجاج نحوی نے بیان کیا ہے اور پھر خود ہی کہہ کر اس کی تردید بھی کردی کہ اگر کسائی کی یہ رائے صحیح ہوتی تو کم کے میم کو مفتوح ہونا چاہئے تھا جب کہ ایسا نہیں۔ الاتقان ۱/۴۲۰ (اردو)

أولیٰ کی اصل

آولیٰ فعلیٰ کے وزن پر ہے اور اس کا الف الحاق کے لئے ہے نیز اس کا وزن أفعلُ بتایا جاتا ہے اور اس کے معنی الویَلُ لک تیری شامت آنے کے آتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ مقلوب منہ ہے اس کی اصل اَوَیَل تھی پھر حرف علت کو آخر میں کردیا گیا چنانچہ خُنشاء شاعر کا کلام............ ؎

همتْ بنفسی بعض الهموم
فاولیٰ لنفسی اولی لها

(میری جان نے خود ہی کچھ رنج وغم خریدے میری جان کی خرابی ہواس کی خرابی ہو) اسی قبیل سے بعض لوگ کہتے کہ اس کی اصل وَلِیٌ ہے جس کی معنی قرب ونزدیکی ہے اسی باب سے قولہ تعالیٰ قاتلوا الذین یلُونکُم یعنی جوتم سے قریب ہوتے ہیں اس سے لڑو۔ ہے۔

(الاتقان ۱/۴۲۲)

مَھماَ

چونکہ اس کی جانب ضمیر راجع ہوا کرتی ہے اس واسطے یہ اسم ہے مثلاً قولہ تعالیٰ مھماَ ماتنا به. زمخشری کہتے ہیں اس مثال میں مَھمَا پر بہ کی ضمیر اور بہا کی ضمیر دونوں بلحاظ لفظ ومعنی عائد ہوتی ہے اور مھمَا غیر ازر زمانہ مالا یعقل کی شرط ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں ہے اور اس میں تاکید کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ (الاتقان: ۱/۴۷۸)

اس کی اصل

ایک جماعت کا قول ہے کہ اس کی اصل ما شرطیہ اور ما زائدہ ہے جیسا کہ تکرار ما کی وجہ سے پہلے ما کا الف ھا سے بدل دیا گیا مَھمَا ہو گیا۔ (ایضاً ۱/۴۷۸)

علامہ جوہری صاحب الصحاح لکھتے ہیں کہ خلیل نحوی کہتے ہیں کہ مہما کی اصل ما ہے ایک ما زائد شامل کر دیا پھر اول ما کے الف کو ہاء سے بدل دیا سیبو یہ نحوی کہتے ہیں کہ ممکن ہے اسکی اصل "اذ" کی طرح نہ ہو اور ما شامل کر دیا گیا ہو ابن فارسی کہتے ہیں اس کی اصل ما ہے مزید ایک ما کا اضافہ کیا گیا مگر التقاء ساکنین کے باعث اول ما کے الف کو ہاء سے بدل دیا۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ مھمَا میں مہ اکنف کے معنی میں ہے اور دوسرا ما شرط وجزاء کے طور پر ہے اس کی تقدیری عبارت نکالتے ہیں کہ (اکنف) ما تا تنا

(تاج العروس۔ ۲۰/۴۱۸، الصحاح ۶/۲۲۵۵)

وجوہات مختلفہ

فعل ماضی کے مبنی ہونے کی وجہ

ماضی مبنی بر فتح ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اس کے آخر میں ضمیر مرفوع متحرک اور واؤ نہ ہو، فعل ماضی کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فعل میں اصل بنا ہے اس لئے کہ فعل کو معانی مختلفہ مثلاً فاعلیت و مفعولیت اور اضافت عارض نہیں ہوتے اور مبنی بر فتح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فتحہ تمام حرکتوں میں زیادہ ہلکی حرکت ہے۔ (روایہ ص: ۱۰۷ مطبوعہ ڈھاکہ)

تمام حروف کے مبنی ہونے کی وجہ

حروف تمام کے تمام مبنی ہوتے ہیں کیونکہ حرف نہ مسند الیہ بن سکتا ہے نہ مسند اور نہ مضاف الیہ بن سکتا ہے نہ مضاف اس لئے کہ اس میں اعراب قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی لہٰذا جملہ حروف کا مبنی ہونا متعین ہے۔ (المصباح المنیر ص: ۳۳)

تمام ضمیروں کے مبنی ہونے کی وجہ

تمام ضمیروں کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حروف (جو مبنی الاصل ہیں) کی طرح اپنے معنی مرادی بتلانے میں مرجع کی محتاج ہوتی ہیں چنانچہ اگر ضمیر غائب ہے تو وہ مرجع کی محتاج ہوتی ہے اور مرجع بھی ضمیر سے پہلے ہونا ضروری ہے کیونکہ مرجع اگر ضمیر کے بعد لایا گیا تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا اور وہ ناجائز ہے اور اگر ضمیر متکلم یا حاضر ہے تو وہ اگرچہ مرجع کی محتاج نہیں ہے مگر وہ ضمائر اس امر کی محتاج ہیں کہ قرائن سابقہ سے مخاطب اور متکلم کی ذات کو معین کیا جائے اس سے ثابت ہوا کہ ضمائر معنوی اعتبار سے حروف کے ساتھ مشابہ ہیں۔ (ایضاً ص: ۴۲)

اسم اشارہ کے مبنی ہونے کی وجہ

یہ ہے کہ حروف (جو مبنی الاصل ہیں) کے ساتھ احتیاج میں مشابہ ہونے کی وجہ سے مبنی ہیں جیسے حروف اپنے معنی پر دلالت کرنے میں متعلق کے محتاج ہیں اسی طرح یہ بھی اپنے معنی پر دلالت کرنے میں قرینہ اشاریہ کی طرف محتاج ہیں۔ (روایہ ص: ۸۰، مصباح ص: ۱۹۲)

اسم موصول کے مبنی ہونے کی وجہ

یہ ہے کہ یہ بھی حروف کے مشابہ ہے کیونکہ جس طرح حروف محتاج ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی صلہ کی طرف محتاج ہوتے ہیں۔ (مصباح ص:۱۹۴)

اسماء افعال کے مبنی ہونے کی وجہ

یہ ہے کہ اسماء افعال، فعل ماضی اور امر حاضر معروف (جو کہ مبنی الاصل ہیں) کے ہم معنی ہیں جیسے روید بمعنی امھل اور ھیھات بمعنی بعد لہٰذا بوجہ مشابہت مبنی الاصل مبنی ہیں۔
(المصباح المنیر ص:۴۷ تا ۴۸)

''قبل'' اور ''بعد'' کا مبنی علی الضم ہونا

لفظ بعد اور قبل کی تین صورتیں ہیں (۱) ان کا مضاف الیہ مذکور ہو جیسے مِنْ قَبْلِکَ وَمِنْ بَعْدِکَ (۲) ان کا مضاف الیہ محذوف نسیاً منسیا ہو جیسے لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلٍ وَمِنْ بَعْدٍ (یہ مثال مضاف الیہ محذوف نسیاً منسیا اور مضاف الیہ محذوف منوی دونوں کی ہے۔) (۳) ان کا مضاف الیہ محذوف منوی ہو جیسے اَمَّا بعدُ اول دونوں صورتوں میں مذکورہ دونوں لفظ بحسب العوامل معرب ہیں اور آخر الذکر تیسری صورت میں مبنی علی الضم ہوتے ہیں لیکن ان دونوں لفظوں کے مبنی علی الضم ہونے پر اشکال ہوتا ہے کہ دونوں اسم ہیں اور اسماء کے اندر اصل معرب ہونا ہے لہٰذا ان کو معرب ہونا چاہئے نہ کہ مبنی اور اگر ان کو مبنی ہی پڑھنا ضروری ہے تو مبنی کے اندر اصل سکون ہے یا اگر سکون سے قریب تر حرکت ہے تو فتحہ اخف الحرکات ہے لہٰذا مبنی بر فتح کیوں نہیں اور مبنی علیٰ الضم کیوں ہوا؟

اول شق کا جواب صاحب روایت النحو صاحب المصباح المنیر یوں دیتے ہیں کہ لفظ قبل اور بعد مضاف الیہ کی طرف محتاج ہونے میں حروف کے مشابہ ہیں یعنی جس طرح حرف بغیر دوسرے کلمہ کے ملائے اپنے معنی مستقل بالمفہوم پر دلالت نہیں کرتا اسی طرح یہ بھی اپنے معنی کے بیان کرنے میں مضاف الیہ کے محتاج ہوتے ہیں اس لئے یہ مبنی ہوتے ہیں اور آخری نکتہ کی وضاحت صاحب الہامیہ اس طرح کرتے ہیں کہ قبل اور بعد لازم

الاضافت ہیں اور قطع اضافت کی بناء پر اس میں ایک قسم کی خفت اور ضعف وکمی آ گئی اور ضمہ چونکہ تمام اعراب میں ثقیل اور قوی ہے تو اسی اعراب کو دیدیا گیا تا کہ مافات کی تلافی (جو کہ حذف مضاف الیہ ہے) اور اس نقصان کی تکمیل ہو جائے، مبنی علی الضم لجبر النقصان الذی ھو حذف المضاف الیہ

(الہامیہ ص:۱۰، المصباح ص:۵۱، روایت النخوص ۸۷)

ظروف مبینہ کے مبنی ہونے کی وجہ

ان کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرف کے معنی کو شامل ہیں جیسے اَیْنَ ہمزہ استفہام کے معنی کو شامل ہے۔ (مصباح ص:۲۰۶)

قط وعوض کے مبنی ہونے کی وجہ

ظروف مبینہ میں سے قط جو ماضی منفی میں استغراق نفی کے طور پر آتا ہے اس کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قلت بناء میں حرف کے ساتھ مشابہ ہے اور دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ قط میں لام استغراق کے معنی پائے جاتے ہیں لہذا بوجہ مشابہت مبنی الاصل مبنی قرار دیئے گئے اور عوض جو مستقل منفی کے لئے بطریق استغراق آتا ہے اس کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عوض کا مضاف الیہ قبل اور بعد کی طرح محذوف منوی ہوتا ہے لہذا یہ مضاف الیہ کی طرف محتاج ہوا اور احتیاج میں حرف کی ساتھ مشابہ ہوا (روایہ ص:۸۹، مصباح ص:۵۰)

لَدیٰ ولَدُنْ کے مبنی ہونے کی وجہ

ان میں سے بعض تو قلت بناء میں حرف کے مشابہ ہیں اور باقی ان پر محمول ہیں۔

(ورایہ ص:۸۹، مصباح ص:۲۱۰)

مذ اور منذ کے مبنی ہونے کی وجہ

مذ اور منذ کا استعمال دو طریقے سے ہوتا ہے ایک بطور حرف جر اور دوسرا بطور اسم، جس وقت یہ حرف جر ہوں گے تو ان کا مبنی ہونا ظاہر ہے کیونکہ تمام حروف مبنی ہوا کرتے ہیں، اور جس وقت یہ اسم ہوں تو مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس مذ اور منذ کے ساتھ

مشابہ ہیں جو حرف جر ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مذ کی وضع حرف جر کی وضع کے مانند ہے اور منذ اسی پر محمول ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ غایات کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں بایں طور کہ غایات مقطوع عن الاضافت ہوتے ہیں اسی طرح یہ بھی مگر چونکہ یہ مقطوع عن الاضافت المعنویہ ہیں اسی وجہ سے یہ ہمیشہ مبنی ہوتے ہیں، بخلاف غایات کے۔

(مصباح ص:۲۰۹، درایہ ص:۱۸۰)

فائدہ

مذ اور منذ میں سے ہر ایک ترکیب میں مبتدا ہوتا ہے اس لئے کہ دونوں بتاویل اضافت اور معنی میں اول مدت یا جمیع مدت کے ہیں اور مابعد اس کا خبر ہے بخلاف زجاج نحوی کے کہ اس کے نزدیک مذ اور منذ خبر مقدم اور اس کا مابعد مبتدا مؤخر ہیں زجاج نحوی کی دلیل یہ ہے کہ دونوں نکرہ ہیں لہٰذا مبتدا نہیں ہو سکتے ہیں، جمہور حضرات کہتے ہیں کہ دونوں مأول بمعرفہ ہیں۔ (مصباح ص:۲۱۰)

اَیْنَ اور اَنّٰی کے مبنی ہونے کی وجہ

یہ دونوں مبنی برفتحہ اس لئے ہوتے ہیں کہ حرف استفہام اور حرف شرط (جو کہ مبنی الاصل ہیں) کے معنی کو متضمن ہوتے ہیں۔ (روایہ ص:۸۸، مصباح ص:۲۰۸)

اذا کے مبنی ہونے کی وجہ

صاحب درایہ لکھتے ہیں کہ معنی حرف شرط یعنی ایک جملہ کا مضمون دوسرے جملہ پر مرتب ہونے کی وجہ سے یہ مبنی ہیں۔ (درایہ ص:۱۷۸، روایہ ص:۸۸)

اِذْ کے مبنی ہونے کی وجہ

صاحب مصباح نے اس کی یہ وجہ لکھی ہے کہ چونکہ اِذْ معنی شرط کو متضمن نہیں ہوتا لہٰذا اس کے مبنی ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کی وضع مثل حرف کے ہے۔

(مصباح ص:۲۰۸)

کَیْتَ وَذَیْتَ کے مبنی ہونے کی وجہ

کیت اور ذیت بفتح التاء والکسر والضم کلام اور بات کے کنایہ کے لئے آتا ہے اور یہ دونوں مبنی اس لئے ہیں کہ جملہ کی جگہ واقع ہوتے ہیں اور جملہ صاحب مفصل علامہ زمخشری کے نزدیک مبنی ہے۔ (درایہ ص:۸۵)

کم استفہامیہ وکم خبریہ کے مبنی ہونے کی وجہ

صاحب درایہ نے اس کے مبنی ہونے کی وجہ یہ فرمائی ہے کہ کم استفہامیہ ہمزہ استفہام کے معنی کو متضمن ہے جو کہ حرف ہے اور کم خبریہ بناء میں کم استفہامیہ پر محمول ہے۔
(درایہ ص:۱۷۴، روایہ ص:۸۵، المصباح ص:۵۲، مصباح ص:۲۰۳)

کذا کے مبنی ہونے کی وجہ

یہ ہے کہ کذا کاف تشبیہ اور ذا اسم اشارہ سے مرکب ہے اور یہ دونوں مبنی ہیں تو چونکہ اس کے اجزاء مبنی ہیں لہٰذا جو ان سے مرکب ہے وہ بھی مبنی ہوگا۔
(درایہ ص:۱۷۴، المصباح ص:۵۲ مصباح ص:۲۰۳)

ایک اشکال کا جواب

یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ اسم زید بھی تین حرف سے مرکب ہے اور تینوں مبنی الاصل ہیں لہٰذا یہاں بھی یہ ہونا چاہئے کہ ان حرف سے مرکب زید بھی مبنی ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں میں فرق ہے کہ کذا ایک حرف اور ایک اسم مبنی سے مرکب ہے لہٰذا وہ مبنی ہوگا بخلاف زید کے کہ وہ تین حرف سے مرکب ہے پس ترکیب کے بعد اس کا حکم یہ نہ ہوگا جو ترکیب سے پہلے حروف ہجا کا ہے۔ (مصباح ص:۲۰۳)

متٰی کے مبنی ہونے کی وجہ

متی استفہام زمانی وشرط مکانی کے لئے آتا ہے جیسے متی تسافر (کب سفر کریگا) متی تصم اصُم (تو جس وقت روزہ رکھے گا میں روزہ رکھوگا) چونکہ متی حرف استفہام وحرف شرط کے معنی میں ہے اس لئے بوجہ مشابہت مبنی الاصل یہ مبنی ہیں۔
(روایہ ص:۸۸، المصباح ص:۴۹، مصباح ص:۲۰۸)

کیف کے مبنی ہونے کی وجہ

کیف جو استفہام حالی یعنی کسی چیز کی حالت اور صفت دریافت کرنے کے لئے آتا ہے جیسے کیف انت تم کیسے ہو اچھا یا بیمار وغیرہ چونکہ یہ حرف استفہام کے معنی کو متضمن ہے اس لئے مبنی ہے۔ (روایہ ص:۸۹،مصباح ص ۲۰۸)

ایّان کے مبنی ہونے کی وجہ

ظروف مبنیہ میں سے ایّان جو استفہام زمانی کے لئے آتا ہے حرف استفہام کے معنی میں متضمن ہونے کی وجہ سے مبنی ہے جیسے ایان یومُ الدّینَ. جزا کا دن کب ہے۔
(روایہ ص:۸۹،المصباح ص:۴۹)

اعراب بالحرکت کو تین میں منحصر کرنے کی وجہ

اعراب بالحرکت رفع نصب جر ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ معانی (مدلول) چونکہ تین ہی ہیں تو اعراب (دال) بھی تین ہوں گے تا کہ دال مدلول کے مطابق ہو جائے اور اس لئے بھی کہ اعراب یا تو کلام کے عمدہ یا فضلہ ہونے پر دلالت کرے گا، اول کی صورت میں رفع ہے اور ثانی دو حال سے خالی نہیں یا تو بلا واسطہ فضلہ اور زیادتی پر دلالت کرے گا یا بالواسطہ اول نصب اور ثانی جر ہے۔ (تحریر سنبٹ ص:۲۸ تا ۲۹،الہامیہ ص:۴۷)

اسمائے اصوات کے مبنی ہونے کی وجہ

یہ ہے کہ یہ اسماء ترکیب میں واقع نہیں ہوتے ہیں اگر ترکیب میں واقع ہوں تو ان میں تصرف وتغیر نہیں کرتے تا کہ حکایات مقصود باقی رہے۔ (مصباح ص:۲۰۰ درایہ ص:۱۷۲)

اعتراض

جناب اس کی کیا وجہ ہے کہ اسماء اصوات ترکیب کے وقت بھی مبنی ہوتے ہیں اور حروف کے اسماء جیسے باء ب کا اسم اور تاء ت کا اسم وغیرہ کیوں معرب ہوتے ہیں حالانکہ انہیں مبنی ہونا چاہئے؟

جواب

محترم آپ ذہن کو حرکت دیں گے تو خود سمجھ میں آجائے گا کہ حروف کے اسماء حقیقت میں آپنے مسمیات کے واسطے اسی طرح موضوع ہیں جس طرح رَجُلٌ ترکیب کے نہ ہونے کی وقت مبنی ہے اور ترکیب کے وقت معرب اسی طرح حروف کے اسماء بھی ہیں اور اسماء اصوات یہ مسمیات کے لئے موضوع نہیں ہیں تو ترکیب کے وقت ان سے مسمیٰ مراد نہیں لیا جاتا ہے۔ بلکہ یا تو صوت کی حکایت ہوتی ہے یا تو حیوان کو اس سے آواز دی جاتی ہے۔ (درایہ وحاشیہ، ہدایت النحو ص:۶۰)

منادیٰ مفرد معرفہ کے مبنی ہونے کی وجہ

یہ ہے کہ منادیٰ مفرد معرفہ کاف اسمی کے موقع میں واقع ہوتا ہے اور کاف اسمی کو کاف خطاب حرفی کے ساتھ لفظاً اور معناً مشابہت ہے جو کہ مبنی ہے اس لئے بوجہ مشابہت مبنی اصل کے یہ مبنی ہوا، اِنما يُبْنیٰ لِوُقُوْعَةِ مَوْقعِ الْكَافِ الْاِسْمِيَّةِ الخ.

(تحریر سنبٹ ص ۱۰۲، الہامیہ ص:۱۳۶)

منادیٰ مفرد معرفہ کا مبنی علیٰ الضم ہونے کی وجہ

منادیٰ مفرد معرفہ میں مبنی علیٰ الضم کے سوا کوئی اور صورت نہیں مبنی علی السکون تو اس لئے نہیں کہ سکون اصل مبنی کی علامت ہے اور یہ مشابہ مبنی الاصل ہے اور علامت نصب و جر بھی اس لئے نہیں کہ علامت نصب پر مبنی کرنے کی حالت میں اس کا التباس اس منادیٰ کے ساتھ ہوگا جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہے اور یاء متکلم کو الف سے بدل کر ما قبل الف کو فتحہ دیکر الف کو گرادیا گیا ہو جیسے یَاغُلامُ اور علامت جر پر مبنی کرنے کی صورت میں اس منادیٰ کے ساتھ التباس ہوگا جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہے اور یاء کو حذف کر کے کسرۂ ما قبل کو باقی رکھا گیا ہو جیسے یارَبِّ یااَبَتِ اس بناء پر منادیٰ مفرد معرفہ مبنی علی الضم قرار دیا گیا۔ ویبنی علیٰ الضمة دون الفتحة والکسرة لانهٗ لو يبنی علیٰ الفتحه لاتبسر بالمنادیٰ الخ. (تحریر سنبٹ ص:۱۰۲، مصباح ص:۱۴۳، الہامیہ ص:۱۳۶)

نون تثنیہ مکسور ہونے کی وجہ

نون تثنیہ پر کسرہ آنے کی چند وجوہ ہیں، اول یہ کہ تثنیہ بلحاظ مفرد و جمع اوسط حال میں ہے اور کسرہ بھی بلحاظ رفع و نصب اوسط حال میں ہے لہٰذا اوسط کے لئے اوسط اختیار کیا گیا، دوم یہ کہ بعض حضرات کے مذہب پر نون تنوین کے عوض ہے اور تنوین حرف ساکن ہے لہٰذا السّاکن اذا حُرِّک حُرِّکَ بالکسر کے تحت نون کو کسرہ دیا گیا، سوم یہ کہ اگر نون تثنیہ مکسور نہ ہو تو پھر مفتوح یا مضموم ہوگا اور یہ دونوں صورتیں ناممکن ہیں اس لئے کہ اگر اس کو فتحہ دیا جائے تو توالیٔ فتحات لازم آئے گا جو ناجائز ہے مثلاً رَجُلانِ میں لام پر فتحہ اس کے بعد الف جو دو فتحوں کا مرکب ہے یہ تین فتحہ ہوئے اس کے بعد اگر نون پر فتحہ ہو تو پے در پے چار فتحوں کا آنا لازم آئے گا جو کہ مکروہ ہے، اور اگر اس کو ضمہ دیا جائے تو اس چیز کا جو کلام عرب میں متروک ہے پایا جانا لازم آئے گا اس لئے کہ نون ایک حرفی کلمہ ہے جیسا کہ ہمزۂ استفہام واؤ عاطفہ وغیرہ ہیں اور ایک حرفی کلام عرب میں مضموم نہیں پایا جاتا۔ (روایہ ص: ۲۲)

نون تثنیہ پر تنوین نہ آنے کی وجہ

اگر سطحی نظر سے دیکھا جائے تو تثنیہ کے نون پر تنوین آنی چاہئے کیونکہ یہاں پر بظاہر کوئی مانع تنوین نہیں ہے مگر عمیق نظر سے دیکھنے کے بعد اس میں مانع تنوین مبنی ہے اس لئے کہ تثنیہ اسم اور حرف سے مرکب ہوتا ہے۔ اور حرف مبنی ہوتا ہے بخلاف اسم مفرد کے کہ وہ بنفسہٖ اسم ہوتا ہے اس لئے مفرد اسم میں تنوین آئیگی اور تثنیہ میں نہیں، ثاقب القاسمی

نون جمع مفتوح ہونے کی وجہ

چونکہ جمع معنی کے اعتبار سے ثقیل ہے اور ثقیل خفیف کا تقاضا کرتا ہے اور چونکہ فتحہ اخف الحرکات ہے اس لئے یہ حرکت نون جمع کو دیدی گئی، دوسری وجہ ہے کہ اس کے لئے فتحہ کے علاوہ کوئی اور حرکت موزوں و مناسب نہیں اس لئے کہ اگر نون جمع پر ضمہ دیں گے تو توالیٔ ضمات لازم آئے گا جو ناجائز ہے مثلاً مُسْلِمُونَ میں میم پر ایک ضمہ ہے اور اس کے بعد واؤ جو دو ضموں سے بنتا ہے اور اگر نون پر بھی ضمہ دیا جائے تو چار ضمے لگاتار آئیں گے

جو غیر پسندیدہ ہے اور اگر نون جمع کو کسرہ دیا جائے تو ضمہ حقیقی یا ضمہ تقدیری سے کسرہ حقیقیہ کی طرف خروج لازم آئے گا اور یہ ثقیل ہے۔ لِاَنَّهٗ لَوْ كَانَ مضموماً لزم توالی اربع ضمات الخ. (الہامیہ ص:۵۷)

تثنیہ اور جمع میں نون آنے کی وجہ

نون تثنیہ اور نون جمع کے متعلق چار مذاہب ہیں، اول مذہب کیسان نحوی کا یہ ہے کہ وہ صرف تنوین مفرد کے عوض میں ہے نہ کہ فقط حرکت کے عوض میں اور نہ حرکت وتنوین دونوں کے عوض میں ہے، دوم مذہب زجاج یہ ہے کہ وہ حرکت مفرد کے عوض میں ہے اور تنوین کے عوض میں نہیں، سوم مذہب ابن علی ان کے نزدیک نون مذکور حرکت اور تنوین دونوں کے عوض میں ہے اس لئے کہ لام کے ساتھ نون پائے جاتے ہیں اور اضافت کے وقت نون گر جاتے ہیں، چہارم مذہب ابن مالک نحوی ان کے نزدیک نون مذکور کسی کے عوض میں نہیں ہے نہ حرکت کے عوض میں اور نہ تنوین کے عوض میں اور نہ ان دونوں کے عوض میں بلکہ نون تثنیہ ونون جمع اس لئے لایا جاتا ہے کہ مفرد کے ساتھ التباس نہ ہو جیسے جَوْزَانِ کہ اس میں نون اس لئے لایا گیا ہے کہ مفرد کے ساتھ التباس نہ ہو کیونکہ جَوْزان جوزیٰ کا تثنیہ ہے جب اس کا تثنیہ بنانا چاہا تو اس کے آخر میں الف تثنیہ بڑھایا جوزا ہوا اور جب جوزا الف زیادہ کرنے کے بعد عصا کی طرح ہوا جو مفرد ہے تو نون تثنیہ زیادہ کردیا۔ تاکہ وہ مفرد کے ساتھ ملتبس نہ ہو باقی وہ کلمات جن میں التباس نہیں ہوتا ان میں طرداللباب زیادہ کیا جاتا ہے۔ (منہل بحوالہ الہامیہ ص:۵۶تا۵۷)

نون تثنیہ ونونِ جمع بوقت اضافت ساقط ہونے کی وجہ

نحویوں کا ایک مسلم ضابطہ ہے کہ نون تثنیہ اور نون جمع اضافت کے وقت دونوں ساقط ہو جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں نون تنوین کے عوض میں ہیں جیسا کہ کیسان نحوی کا مذہب ہے اور اضافت کے وقت تنوین ساقط ہو جاتی ہے تو چونکہ اصل تنوین ساقط ہو جاتی ہے تو نون اسی کے عوض میں ہے اور جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ نون تثنیہ

ونون جمع حرکت یا حرکت وتنوین دونوں کے عوض میں یا دفع التباس کے لئے ہے ان کے نزدیک نون کا گرنا کلام کو اختصار کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ (الہامیہ ص:۵۷)

اسم مقصور میں اعراب تقدیری ہونے کی وجہ

اس میں تقدیری اعراب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے آخر میں الف ہوتا ہے جیسے عصا اور موسیٰ وغیرہ اور یہ ظاہر ہے کہ الف کسی حرکت کو قبول نہیں کرتا کیونکہ جب اس پر حرکت آجائے گی تو پھر یہ الف نہیں بلکہ ہمزہ ہوجائے گا اور جب غیر جمع مذکر سالم یاء متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس وقت اعراب لفظوں میں لانا اس لئے دشوار ہے کہ، ی ۸۹ یاء متکلم اپنے ماقبل کسرہ کو چاہتی ہے اور یہ کسرہ لازمی ہے لہٰذا یہ مانع اعراب لفظی ہوگا اور تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوگا۔ (المصباح ص:۴۷، الہامیہ ص:۵۸)

اسم منقوص میں حالت رفعی وجری میں اعراب تقدیری کی وجہ

اسم منقوص کے دو حالتوں میں اعراب تقدیری کی وجہ صاحبِ الہامیہ لکھتے ہیں کہ ضمہ اور کسرہ یاء پر ثقیل ہوتا ہے کیونکہ ان مقامات پر اعراب لفظی ظاہر کرنا طبع سلیم پر گراں ہوتا ہے۔ دوسری وجہ محشی ہدایت النحو نے شرح لباب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رفع تقدیری کی وجہ یہ ہے کہ کسرہ سے ضمہ کی طرف منتقل کرنا زبان پر ثقیل ہوتا ہے اور کسرہ تقدیری کی وجہ یہ ہے کہ حالتِ جر میں تین کسرہ ایک حرف میں جمع ہوجائیں گے ایک یاء سے پہلے دوسرا یاء تیسرا بعد یاء جو کہ ثقل کا باعث ہے اس لئے حالتِ رفع وجر میں اعراب تقدیری رکھا گیا۔

(الہامیہ ص:۶۰، حاشیہ ہدایت النحو ص:۱۲)

اسم منقوص کی حالت نصبی میں اعراب لفظی کی وجہ

یہ ہے کہ یاء پر فتحہ دشوار اور ثقیل نہیں ہوتا اس لئے کہ فتحہ اخف الحرکات ہے لہٰذا یاء کی مناسبت سے حالت نصبی میں اعراب لفظی قباحت سے خالی ہے واما وجه اللفظی حاله النصب فلانّ الفتحة اخف الحركات. (الہامیہ ص:۶۰، روایہ ص:۲۳)

جمع مذکر سالم میں رفع تقدیری ہونے کی وجہ

جمع مذکر سالم جب یاء متکلم کی طرف مضاف ہوگا تو حالت رفع میں اعراب تقدیری ہوگا اس میں اعراب لفظی اس وجہ سے ثقیل ہے کہ حالت رفع میں مذکر سالم کا اعراب واؤ ہوتا ہے اور واؤ کا تلفظ اس اضافت کے وقت میں ثقیل ہوتا ہے کیونکہ واؤ اخت ضمہ ہے اور یاء اخت کسرہ اگر واؤ کا تلفظ کریں تو خروج ضمہ سے کسرہ کی طرف لازم آئے گا جو باعث ثقل ہے لہٰذا واؤ یاء ہو کر اعراب تقدیری ہوگا۔ (مصباح ص:۷۴)

جمع مذکر سالم کی حالت نصبی وجری میں اعراب لفظی کی وجہ

حالت نصبی وجری میں اعراب لفظی کی وجہ یہ ہے کہ اس حالت میں ان کی علامت یاء ہے اور یاء کو یاء میں ادغام کریں تو اس میں ثقل اور بھاری پن نہیں ہے کیونکہ ضمہ سے کسرہ کی طرف خروج لازم نہیں آتا بلکہ کسرہ سے کسرہ کی طرف خروج ہے لہٰذا یاء علامت اپنی حالت پر رہتے ہوئے یاء متکلم میں مدغم ہوئی ہے اور ادغام شئی حقیقت سے خارج نہیں کرتا بلکہ منضم کرتا ہے اس وجہ سے ان دونوں حالتوں میں اعراب لفظی ہی رہے گا۔ (الہامیہ ص:۶۰، مصباح ص:۷۴)

یاء پر ضمہ وکسرہ کے ثقیل ہونے کی وجہ

حروف علت میں سے ایک یاء ہے مگر اس پر ضمہ وکسرہ کا اعراب ثقیل ودشوار ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ حرف علت تمام حروف میں ضعیف وکمزور ہے اسلئے کہ اہل عرب کسی درد وکسک پر وائی کا تلفظ کرتے ہیں جو حرف علت کا مجموعہ ہے اور چونکہ اعراب میں ضمہ اور کسرہ قوی الحرکت ہے لہٰذا ضعیف قوی کا متحمل نہیں ہوگا اس لئے یاء پر ضمہ وکسرہ دشوار ہوتا ہے۔ (محمد ہارون ثاقب دریاپوری)

جمع مؤنث سالم میں نصب کو جر کے تابع کرنے کی وجہ

صاحب الہامیہ جمع مؤنث سالم میں نصب کو جر کے تابع کرنے کی وجہ تحریر کرتے ہیں کہ جمع مؤنث سالم جمع مذکر سالم کی فرع ہے اور جمع مذکر سالم میں نصب جر کے تابع ہے لہٰذا اس کی فرع میں بھی ایسا کیا گیا تا کہ فرع کی زیادتی اصل پر لازم نہ آئے اور اصل وفرع میں مطابقت وہ موافقت باقی رہے۔ (الہامیہ ص:۵۰، روایہ ص:۲۰)

جمع مذکر سالم میں نصب کو جر کے تابع کرنے کی وجہ

چونکہ اعراب کی تقسیم ہوتے ہوتے ایک اعراب اور چار مستحقین باقی رہ گئے اس لئے ایک اعراب کو چاروں مستحقین پر اس طرح تقسیم کیا کہ تثنیہ اور جمع کی حالت جری میں ی لائے اور نصب کو جر کے تابع کر دیا اور دونوں میں یا ماقبل مفتوح دیا، ماقبل مکسور کے ذریعہ باہم فرق کر دیا تقسیم اعراب مفصل طریقے سے آگے بیان کریں گے، انشاء اللہ

(مصباح ص:۱۷)

تثنیہ میں یا ماقبل مکسور اور جمع میں ماقبل مفتوح نہ کرنیکی وجہ

تثنیہ میں یاء ماقبل مفتوح اور جمع میں یاء ماقبل مکسور رکھا اس کے برعکس نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جمع قلیل ہے اور قلیل بمنزلہ خفیف ہوتا ہے اور اس کے مناسب ثقیل ہے لہٰذا جمع میں یاء کے ماقبل کسرہ دیا گیا جو کہ ثقیل ہے اور تثنیہ چونکہ بہ نسبت جمع کے کثیر ہے اور کثرت صورت ثقیل ہے اس لئے ان میں یاء کے ماقبل کو فتحہ دیا گیا جو کہ اخف الحرکات ہے۔

(مصباح ص:۱۷)

حالت رفع کو کسی کے تابع ومتبوع نہ کرنے کی وجہ

جس طرح تثنیہ اور جمع میں نصب کو جر کے تابع کیا جاتا ہے اسی طرح رفع کو بھی نصب اور جر کے تابع ہونا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس کی وجہ صاحب الہامیہ لکھتے ہیں کہ رفع کو نصب اور جر سے کوئی مناسبت نہیں ہے اس لئے کہ رفع عمدہ کی علامت ہے اور نصب اور جر علامت فضلہ ہے لہٰذا دونوں میں کوئی مناسبت اور مطابقت نہ ہونے کی بناء پر نصب وجر کو تابع ومتبوع کر دیا اور رفع کو اس سے برطرف رکھا بانہٗ لامناسبة بين الرفع وبين النصب والجر اذا الرفع علامة العمدة وهما علامة الفضلة الخ. (الہامیہ ص:۵۵)

غیر منصرف میں جرکو نصب کے تابع کرنے کی وجہ

غیر منصرف فعل کے مشابہ ہے کیونکہ جس طرح غیر منصرف میں دوسبب پائے جاتے ہیں اسی طرح فعل میں بھی دوسبب ہوتے ہیں ایک مصدر سے اشتقاق فعل دوسرے فعل کا محتاج اسم ہونا تو چونکہ مشابہ فعل ہے اور فعل پر کسرہ وتنوین نہیں آتا لہٰذا جب کسرہ متعذر ہوگیا تو لامحالہ جر نصب کے تابع ہوگا۔ (غایۃ التحقیق بحوالہ الہامیہ ص:۵۰ تحریر سنبٹ ص:۳۱)

فعل پر کسرہ وتنوین کے نہ آنے کی وجہ

فعل پر کسرہ وتنوین[۱] کے نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں خواص اسم میں سے ہیں اور خاصیت کہتے ہیں مَایُوْجَدُ فِیْهِ وَلَایُوْجَدُ فِیْ غیرہٖ یعنی جو چیز جس میں پائی جائے اس کے ماسوا میں نہ پائی جائے لہٰذا جوایک شئی کی خاصیت بن گئی دوسروں کی نہیں بنے گی۔ (مؤلف)

تنوین کا خاصیتِ اسم ہونے کی وجہ

یہ ہے کہ تنوین لام اور اضافت کی نقیض وضد ہے بایں طور کہ لام اور اضافت حصول تعریف کے لئے ہوتے ہیں بخلاف تنوین کے کہ وہ تنکیر کے لئے ہوتی ہے تو چونکہ لام اور اضافت یہ دونوں اسم کے ساتھ مخصوص ہیں تو اسی طرح تنوین نقیض کو نقیض پر محمول کر کے اسم کی خاصیت کردیا گیا۔ (الہامیہ ص:۳۱)

جر کا خاصیتِ اسم ہونے کی وجہ

یہ ہے کہ جر حرف جر کا اثر اور نتیجہ ہے اور چونکہ حرف جر اسم کے ساتھ خاص ہے تو اثر یعنی جر بھی اسم کے ساتھ خاص ہوگا ورنہ اثر اور مؤثر کا تخالف عن المؤثر ہونا لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ جر اضافت کی علامت ہے اور اضافت اسم کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا علامت بھی اسم کے ساتھ خاص ہوگی۔ لانہ الجر اثر حرف الجر وھو یختص بالاسم وکذا اثرہ والالزم المخالفۃ۔ (الہامیہ ص:۳۰ تا۳۱)

---

[۱]...تنوین کی چار قسمیں اسم کی خاصیت ہیں کیونکہ تنوین ترنم فعل میں پائی جاتی ہے لہٰذا یہ مستثنیٰ ہے۔۱۲

اسم کے ساتھ ادخال حروف جر کی وجہ

حروف جر کو اسم کے ساتھ داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ معنیٰ فعل یا اس کے مشابہ اسم تک پہونچائے تو ضروری ہے کہ حروف جر کا مدخول اسم ہو ورنہ افضاء الشئی الیٰ نفسہٖ لازم آئے گا اور یہ بدیہی البطلان ہے۔ (الہامیہ ص:۳۱)

لام تعریف کا خاصیت اسم ہونے کی وجہ

خواص اسم میں سے ایک ادخال لام تعریف بھی ہے کیونکہ لام معنیٰ مستقل مطابقی کے تعین پر دلالت کرتا ہے اور یہ معنیٰ مستقل اسم کے سوا کسی اور میں نہیں پائے جاتے ہیں حرف میں تو سرے سے ہی معنیٰ مستقل نہیں اور فعل اگر چہ معنیٰ مستقل پر دلالت کرتا ہے لیکن وہ معنیٰ مطابقی نہیں بلکہ تضمنی ہے اس لئے کہ فعلمعنیٰ مصدری کے اعتبار سے مستقل ہے نہ کہ باعتبار مجموعہ معنیٰ مطابقی کے اور لام تعریف کو اسم کے ساتھ خاص کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ لام ذات کی تعیین کے لئے اور ذات صرف اسم ہے۔

(الہامیہ ص:۲۹ تا ۳۰، مصباح ص:۳۳ تا ۳۴، تحریر سنبٹ ص:۲۲)

لام تعریف کے متعلق نحویوں کے اقوال

حرف تعریف کے بارے میں میں نحویوں کے مختلف اقوال ہیں چنانچہ سیبویہ کا عندیہ یہ ہے کہ حرف تعریف صرف لام ہے اور ہمزہ وصل شروع میں ابتداء بالسکون کے متعذر ہونے کی وجہ سے زیادہ کیا جاتا ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ الف درج کلام میں گر جاتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ الف حرف تعریف میں داخل نہیں اور حرف تعریف میں صرف لام ہونے کی دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ معرفہ نکرہ کی ضد ہے اور نکرہ کی علامت حرف واحد تنوین ہے لہٰذا معرفہ کی بھی علامت حرف واحد لام ہوگا اور استاذ سیبویہ امام نحو خلیل کہتے ہیں کہ حرف تعریف الف ولام دونوں کا مجموعہ ال ہے جیسے ھَلْ حرف استفہام شدت اتصال کی بناء پر دو حرف سے مرکب ہے رہی بات الف کا درج کلام میں ساقط ہونا تو اس وقت الف کی جگہ لام نیابت کرتا ہے۔ جیسے جز کل کی نیابت کرتا ہے۔

اور مبرد نحوی کا نظریہ یہ ہے کہ حرف تعریف صرف ہمزہ ہے اور لام کو اس کے بعد ہمزہ استفہام اور ہمزہ تعریف کے مابین فرق اور امتیازی شان پیدا کرنے کیلئے زیادہ کیا جاتا ہے مگر ان تمام مذاہب میں سیبویہ کا مذہب زیادہ پسندیدہ اور مختار ہے۔

(تحریر سنبٹ ص:۲۲، الہامیہ ص:۳۰، روایہ ص:۱۰)

ہمزہ استفہام کو چھوڑ کر ہمزہ تعریف میں زیادتی کی وجہ

مذکورہ بالا تحقیقات میں ہمزہ تعریف میں لام کا اضافہ کیا گیا اور ہمزہ استفہام میں نہیں اس کی وجہ صاحب الہامیہ لکھتے ہیں کہ استفہام میں غیروں سے طلب دریافت ہوتی ہے جو کہ عجلت کا مقام ہوتا ہے اور مطلوب کے ملنے کا انتظار رہتا ہے اس لئے ہمزۂ استفہام میں اختصار اولیٰ اور بہتر ہے اور یہ بات ہمزہ تعریف میں نہیں ہے اس لئے ہمزۂ تعریف میں اضافہ کیا گیا۔ (الہامیہ ص:۳۰)

اضافت کا خاصیت اسم ہونے کی وجہ

اضافت اسم کی علامت کئی وجہ سے ہے ایک تو یہ کہ اضافت تعریف و تخصیص و تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور یہ تینوں چیزیں اسم میں پائی جاتی ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ اضافت بتقدیر حرف جر ہوتی ہے جو کہ اسم کے ساتھ ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ اضافت سے تنوین اور اس کے قائم مقام نون تثنیہ و نون جمع اور الف لام ساقط ہو جاتے ہیں اور یہ ساری چیزیں اسم کی خاصیتیں ہیں لہٰذا اضافت بھی اسم کی خاصیت ہوگی۔ (الہامیہ ص:۲۹)

اسماء ستہ مکبرہ کو چھ میں منحصر کرنے کی وجہ

اس کے متعلق صاحب تحریر سنبٹ لکھتے ہیں کہ چونکہ تثنیہ اور جمع میں سے ہر ایک کی تین تین حالتیں ہیں اس لئے ہر حال کے مقابلہ میں ایک مستقل اسم کو رکھا۔ لما کان لکل واحدٍ من التثنیۃ والجمع احوال ثلٰثۃ جعلنا فی مقابلۃ کل حال اسماً علیٰ حدۃ

(تحریر سنبٹ ص:۳۲)

ذو کا ضمیر کی طرف مضاف نہ ہونے کی وجہ

ذو جو اسماء ستہ میں سے ہے ضمیر کی طرف مضاف نہیں ہوتا اس لئے کہ ذو کی وضع اسم جنس کی طرف مضاف ہو کر دوسری چیز کی صفت قرار دینے کے لئے ہے اب اگر ضمیر کی طرف مضاف ہوگا تو خلاف وضع لازم آئے گا اس لئے کہ ضمیر اسم جنس نہیں ہے اور چونکہ اس کی اضافت اسم جنس کی طرف لازم ہے اس لئے وہ اضافت سے علیحدہ بھی نہیں ہوسکتا۔

ذو لا یضاف الیٰ مضمر لانہ وضع الواضع وصلۃ توصیف الشئی الخ.

(تحریر سنبٹ ص:۱۷۴)

معرب کی حرکات کو ''انواع'' اور مبنی کی حرکات کو ''القاب'' سے تعبیر کرنیکی وجہ

علامہ ابن حاجب نے اپنی کتاب کافیہ اور صاحب ہدایۃ النحو نے اپنی کتاب میں معرب کی حرکات کو انواع اور مبنی کی حرکات کو القاب سے تعبیر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انواع سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ رفع نصب جر میں سے ہر ایک کے تحت متعدد افراد ہیں چنانچہ رفع کے تحت واؤ الف ضمہ ہے اور نصب کے تحت یاء الف فتحہ کسرہ ہے اور جر کے تحت یا فتحہ کسرہ ہے لہٰذا اگر انواع کے بجائے اقسام یا اس کے ہم مثل کوئی دوسرا لفظ لاتے تو یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا جو نوع کے لفظ سے حاصل ہے کیونکہ نوع اس کلی کو کہتے ہیں جو متفق الحقائق افراد پر محمول ہو دوسری وجہ یہ ہے رفع نصب جر میں سے ہر ایک معانی کے انواع میں سے ایک ایک نوع پر دلالت کرتا ہے لہٰذا جب ان کے مدلولات انواع ہیں تو دوال بھی انواع ہونے چاہئیں اور مبنی کی حرکات چونکہ ایسی نہیں اس لئے ان کا نام القاب ہے کیونکہ ضم فتح کسر میں سے ہر امر پر دلالت کرتا ہے یعنی بناء پر۔

(مصباح ص:۶۰، روایہ ص:۱۸، ایضاح ص:۱۱)

رفع کا علامتِ فاعل ہونے کی وجہ

اس کی وجہ یہ ہے کہ فاعل کے افراد دیگر کے مقابلہ میں کم ہیں اور جس کے افراد کم ہوا کرتے ہیں وہ ثقیل نہیں سمجھا جاتا اور رفع چونکہ ثقیل اور قوی ہوتا ہے اس لئے فاعل خفیف کو

رفع ثقیل دیدیا گیا تا کہ باہم تناسب اور تعادل قائم ہوجائے الرفع ثقیل والفاعل قلیل فاعطی الثقیل للقلیل۔ (تحریر سنبٹ ص:۲۹)

نصب کا تخصیص مع المفعول ہونے کی وجہ

نصب کو مفعول کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مفعول کے افراد کثیر ہیں اور کثیر باعث ثقیل ہوتا ہے لہٰذا ثقیل خفیف کا مقتضی ہونے کی بناء پر نصب دیدیا گیا جو تمام اعراب میں خفیف ہے تا کہ دونوں میں یکساں توازن رہے النصب خفیف والمفاعیل کثیرۃ فاعطی الخفیف الخ. (حوالہ بالا)

جر کا مضاف الیہ کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ

جر کا علامت مضاف الیہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مضاف الیہ کے لئے سوائے جر کے چونکہ کوئی اور علامت نہیں رہی لہٰذا مجبوراً اس کو مضاف الیہ کے لئے خاص کیا گیا لما لم یبق للمضاف الیہ علامۃ غیر الجر فجعل الجر علامتہ (تحریر سنبٹ ص:۲۹،ایضاح ص:۱۱)

حرکت رفع کے ثقیل ہونے کی وجہ

تمام اعراب میں رفع کے ثقیل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رفع کبھی واؤ کے ذریعہ ہوتا ہے جو تمام حروف علت میں ثقیل مانا جاتا ہے اور کبھی ضمہ کے ذریعہ جو ماتحت واؤ ہونے کی وجہ سے تمام حرکات میں ثقیل ہے۔ (ایضاح ص:۱۱)

نصب کے خفیف ہونے کی وجہ

اس کے خفیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نصب کبھی الف سے ہوتا ہے جو تمام حروف میں زیادہ آسان ہے اور کبھی فتحہ سے ہوتا ہے جو تمام حرکتوں میں خفیف تر ہے۔

(ایضاح ص:۱۱)

فاعل اور مفعول میں یاء مصدری کے لاحق کرنے کی وجہ

علامہ ابن حاجب قاعدہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں فالرفع علم الفاعلیۃ والنصب علم المفعولیۃ والجر علم الاضافۃ مذکورہ عبارت کے اول دو صیغوں میں یاء مصدری لاحق کیا گیا

اور آخر کے صیغہ کو بلا یاء کے ذکر کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ فاعل ولفظ مفعول کہ وہ دونوں مصدر نہیں تھے اس لئے ان میں یاء مصدری کو لاحق کر دیا بخلاف اضافت کے کہ وہ خود مصدر ہے اس لئے اس میں یاء مصدری کے لاحق کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ الاضافة مصدر بنفسها فلایحتاج الیٰ الحاق الیاء بخلاف الفاعل والمفعول لانها لیسامصدرین بنفسها الخ. (تحریر سنبٹ ص:۲۹، ایضاح ص:۱۱)

لفظ "اعلم" کا اثناء کلام میں لانے کی وجہ

لفظ اِعْلَمْ صیغۂ امر ہے (بمعنی جان تو) اس میں اختلاف ہے کہ اس لفظ کو کلام کے مابین کس وجہ اور مقصد سے لایا جاتا ہے چنانچہ بعض کہتے ہیں اس کو کلام کے شروع میں اس وجہ سے ذکر کرتے ہیں کہ اس سے غرض غافلین کو بیدار کرنا اور جگانا ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس کا ذکر اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس سے مابعد کلام کی طرف شوق دلانا ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اعلم کے بعد جو کلام آتا ہے وہ واجب الحفظ ہے، بعض کہتے ہیں کہ سامع اور قاری کیلئے یہ عام خطاب ہے۔ (مصباح:ص ۱۰۹)

مذکورہ وجوہات کے لئے لفظ اعلم کی تخصیص کی وجہ

ابھی مذکورہ تحقیق سے لفظ اعلم کے اہم فوائد ومقاصد معلوم ہوئے لیکن قابل گرفت بات یہ ہے کہ لفظ اعرفْ وَافْھمْ واِقْرَأْ کے ذریعہ بھی مذکورہ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں مگر ان وجوہات کے لئے لفظ اعلم کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ مقصود درایت ہے نہ کہ قرأت اِقْرَأْ لانا درست نہیں اور اِفْھَمْ کا تعلق چونکہ کلام سابق سے ہوتا ہے حالانکہ مقصد کلامِ مابعد سے ہوتا ہے، لہٰذا یہ بھی اس مقام کے مناسب نہیں اور اِعْرَفْ اگر چہ درایت مابعد سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس کا استعمال جزئیات میں ہوتا ہے اور یہاں پر امر کلی سے تنبیہ مقصود ہے لہٰذا ان خرابیوں کی بنا پر لفظ اعلم ہی مناسب ہے جو کہ کلیات کے اندر مستعمل ہوتا ہے۔ (درایہ ص:۴۲، مصباح ص:۶۲)

نائب فاعل بنانے کی وجہ

فاعل کو حذف کر کے مفعول کو فاعل کے قائم مقام کرنا اس کو نائب فاعل یا الفاظ دیگر مفعول مالم یسم فاعلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، نائب فاعل درج ذیل اغراض و جوہات کی بنا پر بنائے جاتے ہیں (۱) جس وقت فاعل کا علم نہ ہو جیسے سُرِقَ المتاعُ (۲) جب فاعل خسیس ورذیل ہو جیسے شُتِمَ الخَلِیفَۃُ (۳) جب فاعل معظم ہو جیسے قُطِعَ اللِّصُّ (۴) سامع کو خوش کرنے کے لئے جیسے قُتِلَ عدوّک (۵) ابہام کی بناء پر جیسے ضُرِبَ زیدٌ (۶) اختصار کی بنا پر جیسے اقیمت الصلوٰۃ (۷) موافقت قافیہ کی بنا پر جیسے......

وَمَا المال والاھْلُ اِلاَّ ودائع
ولا بدَّ یوماً اَنْ یُّرِدَّ الودائع

(۸) رعایت سجع کی بنا پر جیسے مَالِاَحدٍ عنده مِنْ نِعْمَۃٍ تُجْزیٰ (۹) علم مخاطب کی وجہ سے جیسے اِذَا بُعثِرَ مافی القبور اور بھی بہت سی اغراض ہیں جن کی وجہ سے فاعل کو حذف کر کے اس کے قائم مقام کیا جاتا ہے مگر طوالت کی وجہ سے ترک کیا جا رہا ہے۔

(درایہ ص:۸۷، مصباح ص:۱۱۸)

اسم و فعل کے عمدہ ہونے کی وجہ

کلام میں اسم و فعل کے عمدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسم مسند اور مسند الیہ اور فعل مسند ہوتے ہیں اور یہ دونوں صفات کلام کے لئے ضروری ہیں اور یہ چیزیں ان میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں اس لئے یہ عمدہ ہے۔ (حاشیہ فوائد ضیائیہ ص:۴۲)

کلمہ اور کلام کا موضوع علم نحو ہونے کی وجہ

علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام اس وجہ سے ہے کہ علم نحو میں ان دونوں کے احوال ذاتی سے بحث کی جاتی ہے اور جس کے احوال ذاتی سے جس علم میں بحث ہو وہ اس علم کا موضوع ہے لہٰذا کلمہ اور کلام بھی علم نحو کا موضوع ہوا لانه یبحث فی علم النحو عن احوالهما الذاتیة الخ. (الہامیہ ص:۱۸، مصباح ص:۲۳)

کلمہ کو کلام پر مقدم کرنے کی وجہ

کلمہ کو کلام پر مقدم کرنے کی مختلف وجہیں ہیں، ان میں سے کچھ صاحب الہامیہ لکھتے ہیں، اول وجہ تو یہ ہے کہ کلمہ کلام کا جز ہے لفظاً اور معناً مثلاً زید، زید قائم کا جز ہے جو کہ کلام ہے اور معناً اس طور پر کہ زیدٌ قائمٌ مجموعہ کے معنی ہیں حیوان ناطق مع ھذا الشخص وذات من لہٗ القیام اور لفظ زید کے معنی ہیں حیوان ناطق مع ھذا الشخص فقط یہ معنی پہلے مجموعہ معنی کا جز ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ کلمہ کلام کا جز ہے اور ضابطہ ہے کہ جز کل پر مقدم ہوا کرتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ کلمہ مفرد کا نام ہے اور کلام مرکب کا اور قاعدہ ہے کہ مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے، راقم الحروف کے نزدیک تیسری وجہ یہ ہے کہ کلمہ موقوف علیہ اور کلام موقوف ہے کیونکہ کلام کے سمجھنے کا دارومدار کلمہ پر ہے اور قاعدہ ہے کہ موقوف علیہ موقوف پر مقدم ہوا کرتا ہے جیسا کہ ہفتم عربی کا سال موقوف علیہ ہے کیونکہ اس کے بغیر دورۂ حدیث شریف تک نہیں پہنچ سکتا چوتھی وجہ یہ ہے کہ تقدم وتاخر ہر صورت میں ہوتا ہے اس لئے یہ مصنف کی صوابدید پر ہے۔ (الہامیہ ص:۱۸، تحریر سنبٹ ص:۵)

ایک اہم اشکال اور اس کا جواب

معلم اور متعلم کے درمیان چونکہ یہ اعتراض ایک معنی رکھتا ہے اور عموماً باریک بیں طلبا اس پر تبادلہ خیال کرتے ہیں تاکہ علمی نکات وجواہر نکھر کر سامنے آئے، اس لئے یہ ناچیز خاص کر اس اشکال مع جواب کو ناظرین وقارئین کی نذر کر رہا ہے، اشکال یہ ہے کہ علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نحو ایک فن نہیں بلکہ دو فن ہوں گے، کیونکہ تعدد موضوع تعدد فن کو مستلزم ہے حالانکہ علم نحو ایک فن ہے۔

جواب

اس اعتراض کا جواب صاحب الہامیہ دیتے ہیں کہ تعدد کی دو قسم ہیں۔ (۱) تعدد لفظی ومعنوی دونوں طرح جیسے بالغ وعاقل (۲) تعدد لفظی فقط جیسے قاعد اور جالس، اس مثال میں جو تعدد ہے وہ لفظ میں صرف تعدد ہے معنی کے اعتبار سے نہیں اس لئے کہ قاعد

اور جالس دونوں کے معنی صاحب جلسہ ہے اور تعدد موضوع جو تعدد فن کو مستلزم ہے وہ تعدد لفظی ومعنوی سے متعلق ہے اور کلمہ اور کلام میں جو تعدد ہے وہ تعدد کی دوسری قسم ہے یعنی صرف لفظ میں تعدد مگر حقیقت اور معنی کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں اس لئے دونوں سے مراد لفظ موضوع ہے۔ بان التعدد علیٰ وجهین لفظی ومعنوی کبالغ وعاقل ولفظی فقط کقاعد وجالس فالاول ممنوع الخ. (الہامیہ ص:۱۸)

اعراب تقدیری کو مقدم کرنے کی وجہ

علامہ ابن حاجب نے اپنی مایۂ ناز تصنیف کافیہ میں اعراب تقدیری کو مقدم کیا ہے جب کہ اعراب لفظی اعراب تقدیری کے مقابلہ میں اصل ہے اس کی وجہ شارح لکھتے ہیں کہ اعراب تقدیری کے مقامات کم ہیں اور اعراب لفظی کے مواضع زیادہ ہیں اور قلیل جز کے درجہ میں ہے اور کثیر کل کے درجہ میں اور قاعدہ ہے کہ جز کل پر مقدم ہوتا ہے اس لئے صاحب کافیہ نے ذکر کرنے میں وضع بالطبع کی رعایت کیا ہے مواضع التقدير قليلة ومواضع اللفظی كثيرة والقليل بمنزلة الجزء والكثير بمنزلة الكل الخ.
(تحریر سنبٹ ص:۳۵، ایضاح ص:۱۵)

مستحقین اعراب میں اعراب کی تقسیم

اعراب کل چھ ہیں تین تو بالحرکت رفع، نصب، جر اور تین بالحرف واؤ، الف، یاء اور مستحقین اعراب جن میں یہ اعراب جاری ہوتے ہیں کل نو ہیں کیونکہ تین تو مفرد کی حالتیں ہیں اور تین تثنیہ کی اور تین جمع کی اور ہر حالت کے لئے ایک اعراب کی ضرورت ہے لہٰذا ان چھ اعرابوں کو نو مستحقوں پر تقسیم کرنا ہے لہٰذا سب سے پہلے مفرد کو اعراب بالحرکت دیا اس لئے کہ وہ اصل ہے اور اصل کے شایان شان اور زیبا اصل ہی ہوسکتا ہے اس کے بعد اعراب کل تین اور حالتیں چھ بچیں تین تو تثنیہ کی اور تین جمع کی اب ضرورت ہے کہ ایسی تقسیم کیجائے کہ یہ تین اعراب تثنیہ اور جمع کی سب حالتوں میں برابر تقسیم ہو جائیں اس وجہ سے اول تثنیہ اور جمع کی حالت رفعی پر نظر ڈالی گئی کیونکہ وہ تمام حالت میں عمدہ ہے لہٰذا الف کو تثنیہ کی حالت رفعی کے لئے خاص کیا اس لئے کہ تثنیہ میں الف اور جمع میں واؤ فاعل کی

علامت ہے اب ایک اعراب اور چار حالتیں باقی رہیں تو ہم نے اس ایک اعراب کو ان چار حالتوں پر اس طرح تقسیم کیا کہ تثنیہ اور جمع کی حالت جری میں ی لائے اور نصب کو جر کے تابع کیا اور درمیان تثنیہ اور جمع کے اس طرح فرق کیا کہ تثنیہ میں یاء ماقبل کو مفتوح اور جمع میں یاء ماقبل کو مکسور کیا۔ فبالضرورۃ قسمت ذالک الحروف علیھما فاعطی الالف للتثنیۃ حالۃ الرفع والواؤ للجمع حالۃ الرفع لانھما علامۃ المرفوع الخ.

(تحریر سنبٹ ص:۵۵، ایضاح ص:۱۴)

اصل کے ساتھ فرع کے ذکر کرنے کی وجہ

عام طور پر فرع کو ذکر نہ کر کے اصل پر اکتفا کر لیا جاتا ہے اور فرع کو چھوڑ دیا جاتا ہے جیسا کہ علامہ ابن حاجب نے تثنیہ کی بحث میں صرف کلا مذکر کو ذکر کیا ہے اور کلتا مؤنث کو فرع کی وجہ سے ترک کر دیا مگر اسی باب میں اثنان واثنتان مذکر و مؤنث دونوں کو ذکر کیا حالانکہ صرف مذکر اصل پر اکتفا کرنا چاہئے چنانچہ اس کی وجہ تحریر سنبٹ کے محشی صاحب تحفہ خادمیہ وصاحب الہامیہ لکھتے ہیں کہ یہ اسماء عدد میں سے ہیں اور اسماء عدد میں تذکیر وتانیث کا حکم تمام اسماء کے خلاف ہے اور ان دونوں میں تذکیر وتانیث ایسا ہے کہ جیسا کہ واحد اور واحدہ میں ہے چونکہ اسماء عدد کا حکم الگ ہے اس لئے اصل اور فرع دونوں کو ذکر کیا اور ایک دوسرے پر اکتفا نہیں کیا۔ وانّما لم یکف بذکر الاصل فی قولہ اثنان و اثنتان الخ.

(حاشیہ تحفہ خادمیہ ، الہامیہ ص:۵۳)

فعل کے خماسی نہ ہونے کی وجہ

فعل خماسی نہیں ہوتا ہے اس کی وجہ محشی صرف میر لکھتے ہیں کہ چونکہ حروف زوائد کے ملانے اور ضمائر بارزہ کے اتصال کی وجہ سے کلمہ زبان پر بہت ثقیل ہو جائے گا۔

(حاشیہ صرف میر ص:۴)

الف کو علامت تثنیہ قرار دینے کی وجہ

تثنیہ کی علامت کے واسطے الف کو خاص کرنا اس بنا پر ہوتا ہے کہ وہ ھما پر دلالت کرے تاکہ اس ضمیر کی طرف اشارہ ہو جائے۔ (حوالہ بالا)

واؤ کو علامت جمع قرار دینے کی وجہ

اسی طرح جمع مذکر غائب کی علامت کے واسطے واؤ کو اس وجہ سے خاص کیا تاکہ ھُمُوْ ضمیر پر دلالت کرے کیونکہ ھُمْ ھُمُوْ کا مخفف ہے۔ (حوالہ بالا)

ایک اشکال

مذکورہ بالا تحقیق پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ ھا اور میم بھی ھما اور ھمو پر دلالت کرتے ہیں لہٰذا الف اور واؤ کو اس دلالت کے واسطے کیوں خاص کیا۔

جواب

چونکہ زیادہ کرنے میں اصل حرف لین ہیں اس وجہ سے ان کو زیادہ کیا۔ (حوالہ بالا)

نون اعرابی کا مضارع کے آخر میں آنے کی وجہ

مضارع کے آخر میں نون اعرابی لایا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نون اعرابی اعراب ضمہ کا بدل ہے اور محل اعراب آخر کلمہ ہے۔ (حاشیہ میزان الصرف ص:۱۰)

نون اعرابی کے مکسور ہونے کی وجہ

تثنیہ میں نون اعربی مکسور ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تثنیہ میں نون کے پہلے الف ہے اس لئے نون ہر اعراب کا متحمل ہوسکتا ہے اور قاعدہ "الساکن اِذا حرِّکَ حرک بالکسر" یعنی ساکن کو جب حرکت دیجائے تو کسرہ دیا جائے کسرہ کو ترجیح ملی اس لئے کسرہ دیا گیا۔ (ایضاً)

آخری کلمہ کا محل اعراب ہونے کی وجہ

محل اعراب آخر کلمہ ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اعراب دال ہے صفت (یعنی فاعل یا مفعول ہونے) پر اور صفت کا درجہ موصوف کے بعد ہوتا ہے لہٰذا جو چیز صفت پر دلالت کرے گی وہ بھی آخر میں ہوگی۔ (ایضا)

تائے ساکن کا علامت مؤنث ہونے کی وجہ

مؤنث کی علامت کے واسطے غالباً تاء کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تا کا مخرج منہ کے درمیان ہے اور وہ مخارج سے دوسرے درجہ میں ہے اور چونکہ مؤنث بھی پیدا کرنے میں دوسرے مرتبہ میں ہے اس لئے کہ حضرت حوا آدم علیہ السلام کے بائیں پہلو سے دوسرے مرتبہ میں پیدا ہوئی ہیں۔ (حاشیہ صرف میر ص:۱۱)

نون کا علامتِ جمع مؤنث غائب ہونے کی وجہ

جمع مؤنث غائب میں نون اس وجہ سے لگاتے ہیں کہ نون ھُنَّ ضمیر جمع مؤنث غائب پر دلالت کرتا ہے گویا کہ یہ نون ھُنَّ کا جزو ہے اس وجہ سے اسے علامت قرار دیا گیا۔

(ایضاً)

تثنیہ میں ''تُمَا'' لاحق کرنے کی وجہ

تثنیہ مذکر حاضر و مؤنث حاضر میں ''تما'' اس وجہ سے لاحق کیا جاتا ہے کہ یہ ضمیر انتما پر دلالت کرے جو اس میں پوشیدہ ہے کیونکہ یہ تما ''انتما'' کا مخفف ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

علامت مضارع کو ''اَتَیْنَ'' سے تعبیر کرنے کی وجہ

علامت مضارع کا مجموعہ جیسا کہ ''اتین'' ہے اسی طرح نأیت و نأتی بھی ہے مگر ان میں سے مصنفین بیشتر اَتَیْنَ سے تعبیر کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اَتَیْنَ صیغہ جمع مؤنث غائب حروف زوائد کی صفت ہے اس لحاظ سے یہ معنی ہوتے ہیں کہ مضارع کے اول میں یہ حروف آئے اور اس کے علاوہ دوسرے مجموعہ میں حروف کی صفت ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔ (حاشیہ میزان ص:۱۰)

یاء کو صیغہ غائب کے واسطے مقرر کرنے کی وجہ

چونکہ حرف یاء کا مخرج اوسط ہے اور غائب بھی اوسط ہے کیونکہ یہ متکلم اور حاضر کے درمیان دائر ہے اس لئے تناسب کی وجہ سے صیغہ غائب میں یاء کو مقرر کیا گیا۔ (حوالہ بالا)

صیغہ جمع متکلم میں "نا" کے آنے کی وجہ

حرف نا کا نون ضمیر نحن جو اس میں پوشیدہ ہے اس سے لیا گیا اور الف آخر میں اس وجہ سے زیادہ کر دیا تا کہ جمع مؤنث غائب کے صیغہ کے ساتھ التباس لازم نہ آوے۔
(حاشیہ صرف میر ص:۲۱)

صیغہ مخاطب کے لئے "تا" کو اختیار کرنے کی وجہ

صیغہ حاضر کے واسطے تاء کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تا زیادہ تر واؤ سے بدلی ہوئی ہوتی ہے جیسے تکلان میں کہ اصل میں وکلان تھا، چونکہ مخارج کے منتہی سے نکلتا ہے اور کلام بھی مخاطب پر منتہی اور ختم ہوتا ہے لہٰذا مناسب یہ ہوا کہ اس کے واسطے ایسا کوئی حرف مقرر کیا جائے جو مخارج کے منتہی میں سے ہو اس لئے اس کی علامت کے واسطے واؤ مقرر ہونا چاہئے تھا مگر عطف کی صورت میں تین واؤ کا وَوَ وجَلُ کے مثل جمع ہونا لازم آتا ہے اس وجہ سے اس واؤ کو تاء سے بدل دیا۔ (ایضاً)

لَنْ کا مضارع کو نصب کرنے کی وجہ

صرفیوں کا ضابطہ ہے کہ حرف لن مضارع کے آخر کو نصب کرتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حروف ناصب میں اصل اَنْ ہے اور لن حروف وحرکت وسکون ومعنی استقبال میں اَنْ کے مشابہ ہے لہٰذا اس مشابہت کی وجہ سے لَنْ بھی نصب کرتا ہے۔ (میزان ص:۱۲)

لَنْ کا نون اعرابی کو ساقط کرنے کی وجہ

چونکہ نون اعرابی رفع کے عوض ہوتا ہے اور جب لن رفع کو ساقط کرتا ہے اور نصب دیتا ہے لہٰذا نون اعرابی کو بھی جو کہ رفع کا بدل ہے ساقط کر دیتا ہے۔ (ایضاً)

لم کا ماضی منفی کرنے کی وجہ

لم فعل مستقبل کو ماضی منفی کے معنی میں کرتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ لم اِن شرطیہ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے کیونکہ دونوں عامل جازم ہیں اور ان شرطیہ ماضی کو مستقبل کے معنی

میں کرتا ہے۔اسی طرح لم مستقبل کو ماضی منفی کے معنی میں کرتا ہے۔ حَمْلاً للضد علی الضدلم مشابہت دارد بہ کلمہ شرط زیرا کہ ہردو عامل جازم اندالخ۔کذافی شرح فصول اکبری۔
(علم الصیغہ ص:۷)

حروف علت کا مجموعہ وای ہونے کی وجہ

جس طرح ان حروف کا مجموعہ وای ہوتا ہے اسی طرح اوی یا ویا بھی ہوتا ہے مگر بیشتر ان کے مجموعہ کو وای سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ وائ (جو علیل وبیمار کی زبان سے نکلتا ہے۔) کی وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ ہوجائے اور دوسرے مجموعہ میں یہ بات نہیں ہوتی ہے۔
(میزان ص:۱۴)

امر حاضر میں علامت مضارع کو حذف کرنے کی وجہ

امر حاضر بناتے وقت علامت مضارع کو حذف کردیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حالت وقف میں مضارع کے ساتھ امر کا التباس نہ ہوجائے۔
(میزان ص:۱۷)

امر کے ساکن ہونے کی وجہ

امر میں ساکن کی وجہ یہ ہے کہ افعال میں اصل مبنی ہوتا ہے اور مضارع اسم فاعل سے لفظاً اور معناً مشابہت کی وجہ سے معرب ہوگیا اور جب علامت مضارع حذف ہوگیا تو اسم فاعل کے ساتھ مشابہت باقی نہ رہی لہٰذا ابناء اصلی بعلت رفع مانع عود کرآئی اس لئے امر مبنی علی السکون ہوگیا۔
(ایضاً)

فعل امر کو مضارع سے بنانے کی وجہ

فعل امر فعل مضارع سے بنایا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امر اور مضارع میں مناسبت ظاہر ہے کیونکہ دونوں زمانہ آئندہ میں شریک ہے بخلاف ماضی کے کہ اس میں اور امر میں یہ مناسبت نہیں ہے۔
(حوالہ بالا)

صیغہ فاعل میں الف زیادہ کرنے کی وجہ

فاعل کے صیغہ میں الف اس وجہ سے زیادہ کرتے ہیں تا کہ مضارع کا اسم فاعل میں تبدیل ہونے پر دلالت کرے تا دلالت کند بر تغییر مضارع در اسم فاعل۔ (علم الصیغہ ص:۱۱)

الف کو زیادتی کے واسطے متعین کرنے کی وجہ

زیادہ کے واسطے الف کو اس لئے متعین کیا گیا ہے کہ زیادتی کے لئے حروف علت اولیٰ ہیں اور اس میں بوجہ خفیف الف ہے۔ (ایضاً)

الف کی زیادتی آخر میں نہ کرنے کی وجہ

صیغہ فاعل میں زیادتی الف فا اور عین کلمہ کے درمیان ہوئی ہے حالانکہ کسی چیز کی زیادتی آخر میں ہوتی ہے اور یہاں وسط میں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تثنیہ کے التباس سے بچنے کے لئے ایسی زیادتی ہوئی ہے۔ (حوالہ بالا)

لائے نہی کا جزم دینے کی وجہ

جزم دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لام امر کے مشابہ ہے کیونکہ لام امر طلب فعل کے واسطے آتا ہے لہٰذا دونوں طلب میں شریک ہیں اس وجہ سے عمل میں بھی شریک کئے گئے۔
(حاشیہ میزان ص:۲۱)

اسم فاعل کو مضارع سے بنانے کی وجہ

اسم فاعل مضارع سے بنتا ہے اور مصدر سے نہیں باوجودیکہ اس میں تصرف وتغیر کم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم فاعل اور مضارع میں عدد حروف وحرکات وسکنات میں مناسبت تامہ ہے اس لئے مضارع سے بنایا جاتا ہے۔ (حاشیہ میزان ص:۲۴)

اسم ظرف کو مضارع سے بنانے کی وجہ

اسم ظرف مضارع سے بنایا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ظرف اور مضارع کے درمیان حرکات وسکنات کی مناسبت ہے لہٰذا تناسب کی بناء پر اس سے بنایا جاتا ہے۔
(حاشیہ میزان ص:۲۵)

ظرف میں میم مفتوح کی وجہ سے مصدر میمی سے التباس

ظرف میں میم مفتوح کے زیادہ کرنے سے اسم ظرف مصدر میمی کے مشابہ ہوجاتا ہے، لہٰذا اس اعتبار سے میم مفتوح زیادہ نہیں کرنا چاہئے مگر چونکہ مصدر میمی قلیل الاستعمال ہے اس لئے یہ التباس جائز رکھا گیا ہے۔ (حاشیہ میزان ص:۲۵)

ظرف میں میم مفتوح اور اسم آلہ میں میم مکسور ہونے کی وجہ

ظرف میں میم مفتوح اور اسم آلہ میں میم مکسور اس لئے کیا گیا ہے کہ اسم ظرف اسم آلہ کی بہ نسبت کلام عرب میں بکثرت آتا ہے اور فتحہ اخف الحرکات ہے اور اسم آلہ کم آتا ہے اور کسرہ ثقیل ہے لہٰذا خفیف کثیر الاستعمال اور ثقیل قلیل الاستعمال کو دیا گیا تاکہ تعادل وتساوی پیدا ہوجائے۔ (ایضاً)

مضارع کو غابر کہنے کی وجہ

مضارع کو غابر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ غابر کے معنی باقی کے ہیں اور جب مجموعہ ازمنۂ ثلثہ سے ماضی کو دور کیا تو حال اور استقبال جو کہ مضارع پر دلالت کرتا ہے، باقی رہا اسی کو مفتی عنایت احمد صاحب علم الصیغہ نے اس طرح بیان کیا ہے ''غابر بمعنی باقی است بعد زماں ماضی حال استقبال کہ مضارع بر آن دلالت کند باقی میماند''

(علم الصیغہ ص:۱۶، امین الصیغہ ص:۲۵)

رباعی مجرد کا ایک باب ہونے کی وجہ

رباعی مجرد کا ایک باب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حروف کی زیادتی ہے جو کہ موجب ثقل ہے اس وجہ سے فتحات کو اختیار کیا جو اخف الحرکات ہیں لیکن جب پے درپے چار حرکات کلام عرب میں ثقالت کی وجہ سے ممنوع ہیں اس لئے اس کے دفع کرنے کے واسطے حرف ثانی میں ساکن کو اختیار کیا اور باقی حروف کے فتحہ کو باقی رکھا لہٰذا اس تقدیر پر رباعی مجرد کا صرف ایک ہی وزن ہوسکتا ہے۔ (حاشیہ میزان ص:۴۲)

باب افعال میں ہمزۂ امر کے مفتوح ہونے کی وجہ

امر حاضر میں عموماً ہمزۂ وصل مضموم یا تو مکسور ہوتا ہے اُفْصُلْ واِعْلَمْ مگر باب افعال کا ہمزۂ امر مفتوح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ہمزہ وصلی نہیں ہے بلکہ ہمزہ قطعی ہے اس لئے کہ یَکْرِمُ مضارع کی اصل یُأَکْرِمُ ہے جو کہ امر بناتے وقت مضارع کی علامت ساقط ہوگئی اور ہمزۂ مع اعراب اپنی حالت پر رہ گیا۔ (حاشیہ علم الصیغہ ص:۲۳)

عِدَۃٌ میں معوض کو آخر میں لانے کی وجہ

عدۃ میں شروع کلمہ سے واؤ کو حذف کر کے اس کے بدلہ تا لاحق کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ابتداء میں تا کو لاتے ہیں تو اس صورت میں مصدر کا التباس فعل مضارع سے لازم آئے گا۔ (نغزک شرح زرّادی ص:۱۰۳)

یُدعیٰ میں کتابت الف کی وجہ

یدعیٰ کو یاء کی صورت میں الف کو لکھنا اس کا یاء سے بدلنے پر دلالت کرتا ہے جب کہ ایسا نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ ہر وہ الف جو کہ حرف کی چوتھی جگہ پر واقع ہو وہ یاء کی صورت میں لکھا جاتا ہے۔ خواہ وہ یاء سے بدلا ہوا ہو یا نہ ہو۔ (شرح زرّادی ص:۱۱۴)

اسم تفضیل میں ہمزہ کو شروع میں لانے کی وجہ

علامت مضارع کو حذف کرنے کے بعد اسم تفضیل کے لئے شروع ہی میں ہمزہ لایا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اول کلمہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اسم تفضیل ہے۔

(حاشیہ میزان ص:۲۶)

آیمّۃ کی یاء کو الف سے نہ بدلنے کی وجہ

اس کی یا کو الف سے نہ بدلنے کی وجہ یہ ہے کہ اَمَّ یَاُمُّ کے صیغہ اسم فاعل سے التباس لازم آتا، اور نیز شرح شافیہ میں یہ ہے کہ واؤ اور یاء کا الف سے بدلنے کے لئے شرط ہے کہ وہ فا کلمہ کے مقابلہ میں نہ ہو اور اس جگہ فا کلمہ کے مقابل میں ہے اور شیخ ابن حاجب صاحب

شافیہ فرماتے ہیں کہ انّھا لم تقلب یاء آیمّۃ الفاً لعروض الحرکۃ علیھا یعنی آیمۃ کی یاالف سے نہیں بدلی جائے گی حرکت عارضہ کی بناء پراور جب کہ شیخ رضی اس قول کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آیمۃ میں حرکت لازمہ ہے اور اگر اس کو نہ مانا جائے تو پھر ہمزۂ ثانیہ کا یاء سے تبادلہ نہیں ہوتا کیونکہ اس کو یا سے کسرہ کی بناء پر بدلا گیا ہے نہ کہ کسی دوسری وجوہ سے۔ (شرح زرّادی ص:۳۱ تا ۳۲)

صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے الف کو واؤ کے ساتھ لکھنے کی وجہ

لفظ صلوٰۃ اور زکوٰۃ اصل میں صلوۃ اور زَکَوَۃ تین فتحوں کے ساتھ ہے واؤ متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے واؤ کو الف سے بدل دیا صلوٰۃ ہوگیا اور اس کے الف کو واؤ کے ساتھ لکھا جاتا ہے حالانکہ اس کی کتابت میں قیاس تو یہ تھا کہ الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے جیسے عصا۔ اس کی وجہ شرح فصول اکبری میں یہ ہے کہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور ایسے ہی مشکوٰۃ اور الربوٰا میں، ان سب کے الف کو واؤ کے ساتھ لکھا جاتا ہے اس لئے کہ ان کلمات کو تفخیم یعنی الف کو واؤ کی طرف مائل کر کے پڑھا جاتا ہے البتہ جب انکی اضافت کی جاتی ہے تو الف کے ساتھ لکھتے ہیں جیسے صلاتی کُتِبَ الف الصلوٰۃ والزکوٰۃ وکذا الحیوٰۃ والمشکوٰۃ والربوابالواوِ لانّہ یُفخم بھااَیْ اِذَا قُرِئَ الفُ ھٰذہٖ الکلمات بالتفخیم یمال الیٰ الواوِ واذَا اُضِیْفَتْ کُتبَتْ بالالِفِ نحو صَلاتَانِ وَصَلاتی (روایہ ص:۳۰، مصباح ص:۹، بحوالہ فصول اکبری)

عامل جازم کا حرف علت کو ساقط کرنے کی وجہ

حروف علت دو دو حرکتوں سے مرکب ہیں جیسا کہ شروع ہی میں معلوم ہوگیا کہ واؤ دوضمہ سے مرکب ہے اور الف دوفتحہ اور یا دوکسرہ سے مرکب ہے اور عامل جازم کسی ایک حرکت کو ساقط کرتا ہے دو کو نہیں، لہٰذا حرف علت کو جزم کی وجہ سے نہیں گرانا چاہئے کیونکہ حرف علت دو حرکتوں کا مجموعہ ہے حالانکہ صرفی حضرات بذریعہ جازم اس کو ساقط کرتے ہیں اس کی وجہ صاحب شرح زرّادی لکھتے ہیں کہ یہاں پر دونوں پہلو تعذر اور تعسر کا ہے

کیونکہ حرف علت سے ٹکڑا کر کے ساقط کرنا ممکن نہیں تھا اور مکمل حرف علت کو رکھنا عامل جازم کا عمل باعث ابطال ہے لہٰذا لامحالہ تمام حرف علت کو ساقط کر دیا جاتا ہے۔

(نغزک ص:۱۱۲، بحوالہ حاشیہ دستور المبتدی)

فعل مفتوح الفاء وساکن العین کی جمع افعال کے وزن پر لانے کی وجہ

وہ فعل جس کا فاء کلمہ مفتوح اور عین کلمہ ساکن ہو اس کی جمع افعال کے وزن پر نہیں آتی ہے حالانکہ اس قسم کی جمع سے قرآنی آیات بھری پڑی ہیں اور اسی طرح مصنفین و مؤلفین بھی اس جمع کو استعمال کرتے ہیں جیسے اقوال احوال لہٰذا ضابطہ مذکورہ کے لحاظ سے اس وزن کی جمع غیر درست ہونی چاہئے کیونکہ یہ اجوف ہے مگر ایسا کرنا جواز میں داخل ہے اور اس کی وجہ صاحب نغزک فرماتے ہیں کہ اس قاعدہ کو تسلیم کرتے ہیں مگر یہ قاعدہ غیر اجوف کے ساتھ خاص ہے اس لئے کہ اجوف میں اس قسم کی جمع بہت ملتی ہیں جیسے اثواب ادوار، اعیان بر تقدیر تسلیم ایں منع مختص بغیر اجوف ست زیرا کہ در اجوف ایں قسم بسیار است۔

(نغزک ص:۸۷)

فتحہ کی تنوین الف اور بغیر الف کے ساتھ

فتحہ کی تنوین ہر جگہ الف کے ساتھ لکھی جاتی ہے لیکن یہ الف وصلاً پڑھنے میں نہیں آتا جیسے ناراً، خالداً وغیرہ دو جگہ بغیر الف کے لکھی جاتی ہے ایک تو اس جگہ جہاں ہمزہ الف کے بعد آتا ہے جیسے نداءً دعاءً جزاءً، عطاءً دوسری جگہ جہاں تا ہا کی صورت میں لکھی جاتی ہے جیسے منتشرةً، زابيةً، مطهرةً، لاغيةً یہ دونوں تنوین خواہ وصل کی حالت میں ہوں خواہ وقف کی حالت میں بغیر الف کے لکھی جاتی ہیں راقم الحروف کے نزدیک تیسری جگہ جہاں تینوں اعراب کا احتمال ہو جیسے مفرداً۔ (عذار القرآن ص:۱۲۳ مطبوعہ لاہور)

ہمزہ کا علامت متکلم ہونے کی وجہ

متکلم کے واسطے ہمزہ کا اختیار کرنا اس سبب سے ہے کہ ہمزہ مبدأ کے مخارج سے پیدا ہوتا ہے اور متکلم وہ آدمی ہے کہ کلام کی ابتداء اس سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا مناسب ہوا کہ متکلم

کی علامت اسی ہمزہ کو مقرر کیا جاوے دوسری وجہ یہ ہے کہ واحد متکلم میں انَا ضمیر پوشیدہ ہوتی ہے۔اسی وجہ سے انَا کے الف کولیکر واحد متکلم کی علامت مقرر کردی چنانچہ بعضوں نے یہ وجہ بیان کی ہے۔ (حاشیہ صرف میر ص:۱۳)

اَمَّا کے حرف تفصیل قرار پانے کی وجہ

اس کا حرف تفصیل ہونا یوں بھی قرار پایا ہے کہ اکثر بلکہ بیشتر حالتوں میں وہ ایسے ہی مواقع پر وارد ہوتا ہے جہاں اس کے ذریعہ سے تفصیل مطلوب ہوتی ہے۔ نیز مثلاً امّا السفینۃُ فکَانَتْ لمساکین ،وامّا الغلامُ والجدار. یا ایسے ہی دوسری آیتوں میں۔

(الاتقان ۱/۴۰۸تا۴۰۹)

اَمَّا کا کلام میں لانے کی وجہ

علامہ جاراللہ زمخشری کہتے ہیں کہ کلام میں امّا کا فائدہ یہ ہے کہ یا تو وہ کلام کی تاکید کے لئے آتا ہے جیسے زیدٌ ذاھبٌ اس کی تاکید مقصود ہو یا یہ کہنا ہو کہ زید لامحالہ جانے والا ہے اور وہ چلنے کی فکر میں ہے اور یہ کہ اس نے چلنے کا عزم کرلیا ہے تو ایسی حالت میں کہا جائے گا اَمّا زیدٌ فذاھبُ اسی واسطے سیبویہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ مھمایکن من شئی فزیدٌ ذاھبٌ ،یعنی کچھ بھی ہو زید ضرور جائیگا! (الاتقان ص:۱/۴۰۹،اردو)

کسی جگہ سماء اور کسی جگہ سمٰوٰت لانے کی وجہ

سماءٌ کسی جگہ صیغۂ جمع کے ساتھ اور کسی مقام پر مفرد کے صیغہ میں لایا گیا ہے۔جس میں کوئی نہ کوئی نکتہ وباریکی ہے اور میں نے ان باریکیوں کی تشریح اسرار التنزیل میں کی ہے جن کا ماحصل یہ ہے کہ جس جگہ تعداد ظاہر کرنا مراد ہے وہاں سماء کو صیغۂ جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے جو کہ عظمت کی وسعت اور کثرت پر دلالت کرتی ہے مثلاً " سَبَّحَ للّٰہ ما فی السمٰوٰتِ "یعنی تمام آسمانوں کے رہنے والے اپنی کثرت کے لحاظ سے" تسبح لَهُ السمٰوٰت یعنی ہرایک آسمان مع اپنی تعداد کے اختلاف کے۔قل لاَ یعلَمُ مَنْ فی السمٰوٰتِ والارضِ الغیب اِلاَّاللّٰہ کیونکہ یہاں پر ان سبھوں کو غیب سے لاعلم محض بتانا منظور ہے جو کہ ایک ایک

اسمان میں رہتے ہیں یعنی جملہ اور ہر ایک آسمان وزمین کی مخلوق سے علم غیب کی نفی مطلوب ہے اور جس مقام پر جہت کا بیان مراد ہے وہاں سماءٌ کا لفظ مفرد کے صیغہ میں لایا گیا ہے مثلاً وفی السماءِ رِزْقُکُمْ ءَاَمنتم من فی السّماء ان یخسف بکم الارض. یعنی تمہارے اوپر سے۔ (الاتقان:۱/۵۱۵)

قرآن میں ارْضٌ کی جمع نہ آنے کی وجہ

قرآن میں جہاں کہیں بھی ارْضٌ کا لفظ آیا ہے وہ مفرد ہی پایا جاتا ہے اس کی جمع کہیں نہیں لائی گئی۔ جس کی وجہ اس کا ثقیل ہونا ہے کہ کیونکہ اس کی جمع ارْضُوْنَ اسی واسطے جس مقام پر تمام زمینوں کا ذکر مقصود ہوا ہے وہاں خداوند کریم نے ومن الارضِ مِثْلَهُنَّ فرمایا ہے۔ لیکن راقم الحروف کہتا ہے کہ اس کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ چونکہ ارض کی جمع ارْضُوْنَ شاذ ہے اس لئے قرآن میں شاذ کا استعمال نہیں کیا اس کی تائید شیخ رضی الدین استرآبادی کے قول سے بخوبی ہوتی ہے چنانچہ شاذ جمع کے باب میں لکھتے ہیں ومنها (ای الشاذ من جمع المذکر بالواؤ والنون) اَرْضُونَ وانما فتحت الواء لان الواؤ والنون فی مقَامِ الالفِ والتاء فکانَهٗ قِیْلَ اَرْضَات او للتبیه علیٰ انها لیست بجمع سلامةِ حقیقة ویجوز اسکان راء ارضون الخ. (شرح رضی ۲/۱۸۳،الاتقان ۱/۵۱۵)

قرآن میں سمٰوٰت جمع اور ارضٌ واحد آنے کی وجہ

قرآن مجید میں سمٰوٰت جمع اور ارْضٌ واحد آنے کی وجہ امام فلسفہ علامہ رازی لکھتے ہیں کہ سمٰوٰت کا جمع اس لئے ضروری ہے کہ اس سے متصل کواکب اور شعاعوں کا علم ہو اور ارض (زمین) چونکہ قابلہ ہے اس لئے واحد لانا کافی ہے "ذکر السمٰوٰت بلفظ الجمع والارض بلفظ الواحد الخ." (تفسیر رازی ۲/۱۰۷ طہران)

عربی کلام میں نکرہ استعمال کرنے کی وجہ

تنکیر کے کئی اسباب ہیں (۱) وحدت کے ارادہ سے مثلاً وجاءَ رَجُلٌ مِنْ اَقْصی المدینَةِ یَسْعیٰ یعنی ایک آدمی (رجل واحد) ضَرَبَ اللّٰه مثلاً رجلاً فِیْه شرکاء

متناکسون ورجلاً سلمالرجلٍ (۲) نوع کا ارداہ مثلاً هٰذا ذکرٌ یعنی نوع من الذکر کی ایک نوع ہے وعلیٰ ابصار هِمْ غِشاوۃٌ یعنی نوع غریبٌ من الغشاوۃ لایتعارفہ النَّاس بحیث غطی مالایتغطیہ شیٌٔ من الغشاوات ایک عجیب طرح کا پردہ (مانڈہ ماجالا) ہے جس کولوگ پہچانتے بھی نہیں اوروہ اس طرح آنکھ بند کرلیتا ہے کہ ہرقسم کے جالوں میں سے کوئی بھی اس طرح آنکھ کوڈھانپ نہیں سکتا ولتجدنهم احْرَصَ علیٰ حیاۃٍ یعنی ایک طرح کی زندگی پر (وہ لوگ سخت حریص ہیں اوروہ آئندہ زمانہ میں درازی عمر کی خواہش ہے کیونکہ ماضی اور حال کے زمانوں میں ازدیاد عمر کی حرص درست نہیں ہوسکتی قولہ تعالیٰ واللہ خَلَقَ کُلَّ دابَّۃَ مِنْ ماۤءٍ میں جوتنوین تنکیر ہے اس سے نوعیت وحدت دونوں معنی ایک ساتھ ہی مفہوم ہوسکتے ہیں یعنی (خدانے) چوپاؤں کی انواع میں سے ہرایک نوع کو پالنے کی انواع میں سے ایک نوع کے ذریعہ سے پیدا کیا اور چوپائے کے افراد سے ایک فردکونطفوں کے افراد کے ایک فرد سے پیدا کیا۔ (۳) تعظیم کا ارادہ اس معنی میں کہ وہ شئی جس کی نسبت کہا جاتا ہے تعیین اور تعریف کی حد سے بڑھی ہوئی (خارج) ہے یعنی اس کی عظمت کا اندازہ یا اس کی تعریف کرسکنا محال ہے مثلاً فأتوا بحربٍ یعنی بحرب ایِّ بحرب (لڑائی کے لئے اور کسی لڑائی کے لئے جس کا بیان نہیں ہوسکتا) ولَهُمْ عذابٌ الیم وسلامٌ علیہ یومَ ولد ،سلامٌ علیٰ ابراهیم .انّ لهم جناتٍ (۴) تکثیر وزیادتی واضح کرنے کے ارادہ سے مثلاً اَناَلَنَالاجراً یعنی وافراً (بہت سا انعام) اورقولہ تعالیٰ فقد کذبَتْ رُسُلٌ ایک ساتھ دونوں وجوہ تعظیم وتکثیر کا احتمال رکھتا ہے یعنی بڑے بڑے رسول جن کی تعداد کثیر تھی وہ بھی جھٹلائے گئے۔ (۵) تحقیر اس معنی میں کہ اس شخص کی شان اس حدتک گرگئی ہے جس کی وجہ سے اس کا معروف ہونا غیر ممکن ہے مثلاً قولہ تعالیٰ وان الظن الاظناً یعنی ایسا حقیر ظن (گمان) جس کی کوئی ہستی نہیں شمار ہوتی ورنہ وہ اس کی پیروی کرتے کیونکہ ان کا یہی چلن ہے کہ وہ ظن کی پیروی کریں اوراس کی دلیل ہے قولہ تعالیٰ ان یتبعون الاالظن اورقولہ تعالیٰ مِنْ ایِّ شیءٍ خلقہ بھی اسی وجہ کی مثال ہے یعنی اس کوایک حقیر شئی اور ناچیز شئی سے پیدا کیا اور پھر اسی شئی کو اپنے قول "مِنْ نطفۃٍ" سے بھی

بیان کردیا۔(٦) تقلیل (کمی ظاہر کرنا) ہے مثلاً ورِضوانٌ من اللہ اکبر یعنی خدا کی رضاء مندی بھی جنتوں سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے کیونکہ رضاء خداوندی ہی ہرایک سعادت کی بنیاد ہے قلیلٌ منک یکفینی ولکن قلیلک لایقال لہ قلیلٌ. بڑی تھوڑی ہی عنایت میرے لئے کافی ہے لیکن تیری تھوڑی عنایت کو بھی تھوڑا نہیں کہا جاسکتا اور زمخشری نے قولہ تعالیٰ سبحان الذی اسری لیلاً کی تنوین کو اسی وجہ سے قرار دیا ہے یعنی اس نے اس کے معنی لیلاً قلیلاً تھوڑی سی رات بتائے ہیں اور پھر اس پر اتنا حاشیہ چڑھایا ہے کہ تقلیل کے معنی فی جنس کو اس کے کثیر افراد میں سے ایک فرد کی جانب پھیر دیا ہے نہ یہ کہ کسی ایک ہی فرد کو ناقص کرکے اس کے کسی جزو پر قاصر کردیا ہے اور کتاب عروس الافراح میں اس کا جواب یوں دیا گیا ہے ''ہم نہیں مانتے کہ لیل کے حقیقی معنی اس کا ساری رات پر اطلاق ہوتا ہے بلکہ رات کا ہرایک حصہ (اس کے بکثرت اجزاء میں سے) رات ہی کہلاتا ہے اور سکاکی نے اس بات کو بھی اسباب تنکیر میں سے شمار کیا ہے کہ اس کی تنکیر کی حقیقت سے بجز اسی مطلوب شئی کے اور کوئی بات سمجھ میں نہ آئے چنانچہ اس نے اس کی یہ صورت قرار دی ہے کہ ایک امر معلوم سے تجاہل کیا جائے اور دانستہ شخص کو انجان بتائے جائے مثلاً تم کہو ہل لکم فی حیوان علیٰ صورۃ انسانٍ یقول کذا؟ اور اسی اصول کی بنیاد پر خداوند کریم نے کفار سے تجاہل عارفانہ کے طریقہ پر خطاب کیا ہے ہل ندلکم علی رجل ینبئکم . گویا کہ وہ لوگ اس کو (رسول ﷺ) کو جانتے ہی تھے اور سکاکی کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے تنکیر کے اسباب میں عموم کے قصہ کو بھی شمار کیا ہے، بایں طور کہ وہ نفی کے سیاق میں ہو مثلاً لاریبَ فیہُ، فلارفث ، یا شرط کے سیاق میں وارد ہو مثلاً وان احدٌ من ا لمشرکین استجارک ؟ یا امتنان (احسان جتانے) کے سیاق میں پڑے جیسے وانزل من السماء ماءً طھوراً. (الاتقان ۱/۵۱۰)

عربی کلام میں اسم معرفہ لانے کی وجہ

معرفہ کے بھی کئی اسباب ہوتے ہیں (۱) ضمیر لانے کے ساتھ اس لئے کہ اس کا مقام تکلم یا خطاب یا غیبت کا مقام ہوتا ہے۔ (۲) علمیت کے ساتھ تاکہ اس کو ابتداء ہی سے

ایسے اسم کے ساتھ جو اس کے لئے مخصوص ہے ابعینہٖ سامع کے ذہن میں حاضر کر سکیں مثلاً قُل هو الله احدٌ محمدٌ رسول الله یا تعظیم یا اہانت کے لئے اور یہ اس موقع پر ہوتا ہے جہاں اس کا علم ان باتوں کو مقتضی ہو چنانچہ تعظیم کی مثال یعقوبؑ کا ان کے لقب اسرائیل کے ساتھ ذکر کرنا ہے جس کی وجہ اس لفظ میں مدح و تعظیم کا پایا جانا ہے یوں کہ وہ خدا کے برگزیدہ یا سری اللہ تھے اہانت کی مثال قولہ تعالیٰ تبت یدا ابی لهب اور اس میں ایک دوسرا نکتہ بھی ہے وہ یہ ہے کہ اس (ابی لهب) کے ساتھ اس شخص کے جہنمی ہونے کا کنایہ بھی نکلتا ہے (۳) اشارہ کے ساتھ تاکہ معرف کو از روئے حس کے سامع کے ذہن میں حاضر بنا کر پوری طرح ممیز کر دیا جائے جیسے هٰذا خلقُ الله فأرونی ماذا خلقَ الذین من دونه؟ اور اس سے یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ سامع کی غباوت (کند ذہن) ہونے کی تعریض کی جائے اور دکھایا جائے کہ وہ حسی اشارہ کے شئی کی تمیز نہیں کر سکتا اور یہ بات بھی مذکورہ بالا آیت سے نمایاں ہوتی ہے اور تعریف بالاشارہ کا مدعا مشار الیہ کے نزدیک اور دور ہونے کی حالت کا بیان بھی ہوتا ہے اس لئے حالت قرب کا اظہار کرنے کے واسطے هٰذا کو لائے ہیں اور دوری کی حالت نمایاں کرنے کے لئے ذٰلک اور اولٰئک سے اشارہ کرتے ہیں پھر قرب کے ساتھ اس کی تحقیر کا قصد بھی کیا جاتا ہے مثلاً کفار کا قول أهٰذا الذی یذکر الهتکم، أهٰذا الذی بعث الله رسولاً اور اشارہ بعید سے اس کی تعظیم بھی مقصود ہوا کرتی ہے ذٰلِکَ الکتاب لاریبَ فیہِ (۴) موصولیت کے ساتھ تعریف کرنا جس کی یہ وجہ ہے کہ معرف کا ذکر اس کے خاص نام کے ساتھ برا تصور کیا جاتا ہے اور یہ بات یا تو اس کی پردہ داری کی غرض سے ہوتی ہے اس کی توہین کے خیال سے جیسے والذی قَالَ لوالدیہِ اُفٍ لکما (۵) معرف باللام معہود خارجی یا ذہنی یا حضوری کی طرف اشارہ کرنے کے واسطے حقیقتاً یا مجازاً استغراق کے واسطے اور یا الف لام کے ساتھ ماہیت کی تعریف مطلوب ہوتی ہے۔ اضافت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اضافت تعریف کا سب سے بڑھ کر طریقہ ہے اور اس سے مضاف کی تعظیم بھی ہوا کرتی ہے۔ قولہ تعالیٰ انَّ عبادی لَیس لکَ عَلَیهِم سُلطَانٌ ولا یرضیٰ لعبادہِ الکفرَ. اور تعریف بالاضافت عموم کے قصد کے لئے بھی آتی ہے۔

(ایضاً ۱/ ۵۱۱ تا ۵۱۲)

وجوہاتِ تسمیہ

اسم کی وجہ تسمیہ

اسم کواسم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بصریین کے نزدیک یہ مشتق ہے سَمُوٌّ سے جس کے معنی بلندی کے ہیں اور چونکہ اسم اپنے دونوں قسموں (فعل وحرف) پر فائق رہتا ہے اس طور پر کہ یہ مسند اور مسند الیہ دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے اور کوفیین کے نزدیک وَسْمٌ سے جس کے معنی علامت کے ہوتے ہیں چونکہ اسم اپنے مسمّٰی کے لئے علامت ہوتا ہے، مگر مذہب ثانی کا قول سقم سے خالی نہیں۔ (حاشیہ کافیہ ص:۲، المصباح ص:۱۱، الہامیہ ص:۳۳)

فعل کی وجہ تسمیہ

کلمہ کی دوسری قسم فعل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ فعل تلفع سے ماخوذ ہے بمعنی تضمن چونکہ فعل فعل لغوی یعنی مصدر کو بھی شامل ہے جیسے الضرب میں مارنا ایک فعل ہے جو مارنے والے کے قائم مقام ہے اور جو چیز فاعل سے صادر ہو وہ مصدر ہے اس لئے تسمیۃ الدال باسم المدلول کی بناء پر فعل نام رکھدیا گیا۔ الفعل ماخوذ من التلفع وھو التضمن الخ.

(حاشیہ کافیہ ص:۳، الہامیہ ص:۳۵)

حرف کی وجہ تسمیہ

حرف کی وجہ تسمیہ محشی کافیہ غایۃ التحقیق کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حرف ماخوذ ہے طرف الوادی سے یعنی حرف کے معنی لغت میں کنارہ اور طرف کے آتے ہیں جیسے اہل عرب بولتے ہیں "جلستُ حرف الوادی" میں وادی کے کنارہ بیٹھا اور چونکہ حرف کلام کے کنارے میں واقع ہوتا ہے اس لئے کہ یہ اسم اور فعل کے کنار ہوتا ہے۔

(حاشیہ کافیہ ص:۳، بحوالہ غایۃ التحقیق الہامیہ ص:۳۷)

ایک اشکال اور اس کا جواب

حرف کی وجہ تسمیہ پر کسی نے اعتراض کیا ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے حرف کلام کے طرف میں واقع ہوتا ہے بلکہ وسط کلام میں بھی واقع ہوتا ہے جیسے زیدٌ فی الدَّار میں حرف فی

درمیان کلام میں واقع ہے اسی طرح اُرِیدُ ان تضرِب میں اَن حُرف ناصبہ وسط کلام میں ہے اس کے علاوہ اور بھی مثالیں ہیں لہٰذا جب یہ وسط کلام میں واقع ہوتا ہے تو پھر حرف کا نام طرف میں واقع ہونے کی بناء پر رکھنا غلط ہوا۔

جواب اول

اس اشکال کا جواب صاحب الہامیہ دیتے ہیں کہ حرف کا طرف میں واقع ہونے سے ہمارا وہ مطلب نہیں جو معترض نے سمجھا ہے یعنی آخر اور کنارہ میں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حرف اسم اور فعل کے مقابلہ میں علیحدہ اور کمتر ہے کیونکہ حرف مقصود لذاتہٖ اور مستقل بالمفہومیۃ مسند اور مسند الیہ کی طرح نہیں ہوتا بخلاف اسم اور فعل کے کہ دونوں مقصود لذاتہٖ اور مستقل بالمفہومیۃ ہوتے ہیں لہٰذا حرف مستقل بالمفہومیۃ نہ ہونے کی بنا پر مسند اور مسند الیہ سے ایک طرف اور کنارہ ہو گیا اس لئے اس کا نام حرف رکھا گیا اب وہ اشکال مندفع ہو گیا۔ (ہکذا فی الہامیہ ص:۲۷)

جواب دوم

اس اشکال کا جواب ملا جامیؒ نے اس طرح دیا ہے کہ حرف کو حرف اس لئے کہتے ہیں کہ حرف لغت میں طرف کے معنیٰ میں آتے اور یہ اسم و فعل کے مقابلہ میں ایک جانب ہے کیونکہ یہ دونوں کلام میں عمدہ واقع ہوتے ہیں اور حرف نہیں اسم و فعل کے عمدہ ہونے کی وجہ پیچھے بیان کی جا چکی ہے۔ **سُمی هذا القسمُ حرفاً لان الحرف فی اللغة الطرف وهو فی طرف ای جانب مقابل لاسم والفعل الخ.** (فوائد ضیائیہ ص:۴۲)

مبتداء کی وجہ تسمیہ

باب افتعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اس کو مبتدا اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے جملہ کی ابتداء ہوتی ہے اور یہ مسند الیہ کا دوسرا نام ہے۔ (المصباح ص:۱۴)

خبر کی وجہ تسمیہ

خبر کو خبر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اسم یعنی مبتدا کے حال کی خبر دیتا ہے اور خبر کا دوسرا نام مسند ہے جیسے زیدٌ عالمٌ میں عالم خبر ہے کیونکہ اسم زید کی حالت یعنی عالمیت کی خبر دے رہا ہے۔
(المصباح: ص۱۴)

اسم متمکن کی وجہ تسمیہ

اسم معرب کا دوسرا نام اسم متمکن بھی ہے متمکن تمکن باب تفعل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اس کے لغوی معنی جگہ دینے والا چونکہ اسم اپنی ذات میں تغییر و تاثیر کے واسطے اپنے عامل کو جگہ دیتا ہے اس لئے اس کا نام اسم متمکن رکھا گیا بمعنی جائے دادن وایں اسم نیز جائے میدہد عامل خود راالخ۔ (حاشیہ نحو میر ص: ۷، الہامیہ ص: ۴۴)

معرب کی وجہ تسمیہ

معرب باب افعال سے اسم ظرف مکان ہے اس کا مصدر اعراب ہے بمعنی ظاہر ہونے کی جگہ چونکہ اسم معرب میں معانی کا اظہار ہوتا ہے، معانی سے مراد فاعل مفعول مضاف الیہ ہیں اس لئے کہ تبدیلی حرکات یا حروف سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کلمہ اب فاعل اور اب مفعول بن گیا یا اب مضاف الیہ ہو رہا ہے اس لئے ایسے اسم کو لفظ معرب سے اہل عرب تعبیر کرنے لگے۔ (المصباح ص: ۳۲، حاشیہ کافیہ ص: ۴، الہامیہ ص: ۴۵)

مبنی کی وجہ تسمیہ

مبنی بنٰی یبنی سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بروزن مرمی، اصل میں یہ مبنویٌ تھا واؤ اور یا ایک کلمہ میں جمع ہوئے، پہلا ساکن تھا اس لئے واؤ کو یاء سے بدل کر یا کو یا میں ادغام کر دیا اور یا کی مناسبت سے کسرہ دیدیا اس کے معنی بنٰی کیا ہوا اور قرار و عدم تغییر چونکہ مبنی ایک ہی حالت پر برقرار رہتا ہے کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اس لئے یہ نام تجویز کیا گیا۔

(المصباح ص: ۳۲، مصباح ص: ۱۸۳ تا ۱۸۴)

مضارع کی وجہ تسمیہ

باب مفاعلت سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی مشابہت رکھنے والے کے، مضارع کو مضارع اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اسم فاعل کے ساتھ حال اور استقبال میں مشترک ہونے اور سین و سوف کے ساتھ مختص ہونے میں مشابہت رکھتا ہے گویا دونوں شبھوں یعنی مضارع واسم نے ایک پستان سے دودھ پیا ہے اور یہی وجہ تسمیہ شرح رضی میں ہے۔

(شرح رضی ۲۲۶/۲ مطبوعہ بیروت، مصباح ص: ۲۴۴)

مشابہت کی تفصیل

اسم فاعل اور مضارع میں مشابہت لفظی و معنوی بھی ہے۔ لفظاً مشابہت تو یہ ہے کہ دونوں حرکت وسکون میں برابر ہیں یعنی جتنے حروف فعل مضارع میں ساکن یا متحرک ہیں اتنے ہی حروف اسم فاعل میں ساکن اور متحرک ہیں جیسے یَضْرِبُ و ضَارِبٌ، یَسْتَخْرِجُ و مُسْتَخْرِجٌ اور اسی طرح لام تاکید کے داخل ہونے میں یعنی جس طرح اسم فاعل پر لام آتا ہے اسی طرح لام فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے اور اسی طرح عدد حروف میں دونوں برابر ہیں جتنے اسم فاعل میں حروف ہیں اتنے ہی فعل مضارع میں ہوتے ہیں اور معناً مشابہت یہ ہے کہ جس طرح اسم فاعل حال اور استقبال میں مشترک ہے اسی طرح فعل مضارع بھی حال اور استقبال میں مشترک ہے۔ (مصباح ص ۲۴۴ تا ۲۴۵، روایہ ص:۱۰۸)

افعال ناقصہ کی وجہ تسمیہ

افعال ناقصہ کو ناقصہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ دیگر افعال کی طرح صرف فاعل یا اسم پر کلام تام نہیں کرتا بلکہ خبر کے لانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی طرح افعال تامہ کی طرح حدوث پر دلالت نہیں کرتے اس معنی کی بناء پر انمیں ایک قسم کی نقص و کمی ہے اس لئے اس کا افعال ناقصہ نام رکھا گیا۔ (متوسط بحوالہ حاشیہ کافیہ ص:۱۰۶، مصباح ص:۲۶۷)

کلم المجازات کی وجہ تسمیہ

کلم المجازات کا دوسرا نام اسماء شرطیہ ہے ان کو کلم المجازات اس لئے کہتے ہیں کہ مجازات بمعنی بدلہ دینا جزاء دینا، چونکہ یہ دو جملوں پر داخل ہوتے ہیں اور ایک جملہ دوسرے جملہ کے لئے جزاء ہونے پر دلالت کرتا ہے اس لئے ان اسماء کا کلم المجازات لقب ہوا کلماتیکہ دلالت کنند کہ جملہ ثانیہ جزا جملہ اولیٰ باشد۔

(حاشیہ ہدایت النحوص:۸۷، بحوالہ درایہ ص:۲۲۰، المصباح ص:۱۲۱)

افعال قلوب کی وجہ تسمیہ

افعال قلوب اس وجہ سے نام رکھا گیا کہ یہ افعال اپنے صدور میں جوارح اور اعضاء ظاہری کی طرف محتاج نہیں ہیں بلکہ قوائے باطنی کافی ہیں انما سمیت ھذہ الافعال افعال القلوب لانھا لایحتاج فی صدورھا الیٰ الجوارح والاعضاء الظاھرۃ بل یکفی فیھا القوۃ العقلیۃ (متوسط بحوالہ حاشیہ کافیہ ص:۱۴۰، تحریر سنبٹ ص:۲۵۱، درایہ ص:۱۱۹، مصباح ص:۲۶۵)

افعال الشک والیقین کی وجہ تسمیہ

افعال قلوب کا دوسرا نام افعال الشک والیقین اس وجہ سے رکھا گیا کہ ان میں سے بعض شک کیلئے آتے ہیں اور بعض یقین کے واسطے وتسمی افعال الشک والیقین ایضاً لانَّ بعضھا للشک وبعضھا للیقین۔ (تحریر سنبٹ ص:۲۵۱ تا ۲۵۲، مصباح ص:۲۶۵)

حروف مشبہ بالفعل کی وجہ تسمیہ

حروف مشبہ بالفعل چھ ہیں اور مشبہ باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے ان حروف کو مشبہ بالفعل اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان کو فعل کے ساتھ مشابہت لفظی ومعنوی ہے، لفظی مشابہت تو یہ ہے کہ جس طرح فعل ماضی مبنی بر فتح ہوتا ہے اسی طرح یہ حروف بھی مبنی بر فتح ہوتے ہیں اور جس طرح فعل ثلاثی اور رباعی ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی ثلاثی اور رباعی ہوتے ہیں اور جس طرح فعل متعدی دو اسم کا متقاضی ہوتا ہے اسی طرح یہ حروف بھی دو اسم کا تقاضا کرتے ہیں اور مشابہت معنوی یہ ہے کہ ان حروف کے معانی فعل جیسے ہیں چنانچہ اِنَّ اور اَنَّ بمعنی اَکَّدْتُ و حَقَّقْتُ ہیں اور کَاَنَّ بمعنی شَبَّھْتُ اور لٰکِنَّ بمعنی اِسْتَدْرَکْتُ اور لَیْتَ بمعنی تَمَنَّیْتَ اور لَعَلَّ بمعنی تَرَجَّیْتُ ہیں۔

(درایہ ص:۲۴۹، تحریر سنبٹ ص:۲۷۰، متوسط بحوالہ کافیہ ص:۱۱۵)

حروف علت کی وجہ تسمیہ

حروف علت تین ہیں جن کا مجموعہ وآی آتا ہے ان کو حروف علت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ علت کے معنی بیماری کے آتے ہیں چونکہ ان میں تغیر بہت واقع ہوتا ہے گویا علیل اور

رنجور کے مانند ہیں جس کا مزاج بدلتا رہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر مصیبت زدہ آدمی کی زبان سے وای کا لفظ نکلتا ہے۔ حروف علت کی وجہ تسمیہ اور عدد کے متعلق شاعر نے کہا ہے......

حرف علت نام کردم واؤ الف یائے را
ہرکہ را دردے رسد ناچار گوید وائے را

(مصباح ص:۶۳، حاشیہ پنج گنج ص:۳، حاشیہ علم الصیغہ ص:۴)

حروف عاطفہ کی وجہ تسمیہ

عطف کے معنی لغت میں مائل کرنے کے آتے ہیں چونکہ یہ حروف بھی معطوف کو حکم اور اعراب میں معطوف علیہ کی طرف مائل کرتے ہیں اس وجہ سے ان حروف کا نام حروف عاطفہ رکھا گیا۔ العطف فی اللُّغة الامالةُ ولما کانت ھٰذہٖ الحروف تمیل المعطوف الیٰ المعطوف علیه سمیت عاطفة (فوائد ضیائیہ ص:، تحریر سنبٹ ص:۱۷۴، مصباح ص:۲۹۸)

حروف تحضیض کی وجہ تسمیہ

یہ چار حروف ہوتے ہیں اَلَّا ھلَّا اور لَو لا َ اور لَو مَاَ — تحضیض کے معنی لغت میں ابھارنا اور آمادہ کرنا ہے چونکہ یہ حروف فعل کے کرنے پر ابھارنے اور آمادہ کرنے کیلئے آتے ہیں اس وجہ سے ان کو حروف تحضیض کہتے ہیں۔ (مصباح ص:۲۱۰، فوائد ضیائیہ)

حروف توقع کی وجہ تسمیہ

توقع باب تفعل کا مصدر ہے بمعنی امید والا ہونا، حروف توقع اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ جو متوقع اخبار ہے اس کو اس سے خبر دی جاتی ہے۔ لانہٗ یخبر بھا لمتوقع الاخبار اور صاحب روایہ نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ اس حرف قد سے اس خبر کی جس کے وجود کی خبر دیجاتی ہے۔ اس کا دوسرا نام حرف تقریب ہے چونکہ یہ ماضی پر داخل ہو کر اس کو زمانۂ حال کی طرف قریب کرتا ہے۔ (روایہ ص:۱۴۴، مصباح ص:۳۱۰، درایہ ص:۱۶۷)

حرف ردع کی وجہ تسمیہ

ردع بمعنی زجر وجھڑ کنا اور منع کرنا چونکہ کلا زجر اور منع کے لئے موضوع ہے اس وجہ سے کلاَّ کو حرف ردع کہتے ہیں۔ (مصباح ص:۳۱۸، روایہ ص:۱۴۷)

حروف تنبیہ کی وجہ تسمیہ

تنبیہ کے معنی بیدار کرنا کسی چیز پر خبردار کرنا، حروف تنبیہ تین ہیں اَلَا اَمَا ھا یہ حروف جملے کے سرے پر داخل ہوتے ہیں تاکہ مخاطب اس کلام کے کسی جزو سے بھی غفلت نہ کرے جس کو متکلم اس کی طرف القا کرنا چاہتا ہے اور مخاطب کے ذہن میں اچھی طرح متمکن ہو جائے اور چونکہ غرض مذکور پر دلالت کرنے کی وجہ سے جملہ کے شروع میں آتے ہیں اس وجہ سے ان کا نام حروف استفتاح بھی ہے۔ منھا ایقاظ الغافلین علیٰ مضمون الجملۃ الخ. (تحریر سنبٹ ص:۲۷۶، مصباح ص:۳۰۲، درایہ ص:۲۶۱)

اَمَا کے لغات

حروف تنبیہ میں سے ایک اَمَا بفتح ہمزہ وتخفیف میم ہے اس میں چند لغت ہیں (۱) ھمَا ہمزہ کو بدلنے اور الف کو باقی رکھنے کے ساتھ (۲) عمَا ہمزہ کو عین سے بدلنے اور الف کو باقی رکھنے کے ساتھ (۳) ھم ہمزہ کو ہاء سے بدلنے اور الف کو گرادینے کے ساتھ (۴) عَم ہمزہ کو عین سے بدلنے اور الف کو گرانے دینے کے ساتھ (۵) اَم فقط الف کو ساقط کرنے کے ساتھ۔ (المنہل بحوالہ حاشیہ ہدایت النحو ص:۱۱۴، مصباح ص:۳۰۲)

حروف ایجاب کی وجہ تسمیہ

ایجاب باب افعال کا مصدر ہے بمعنی جواب دینا اور ثابت کرنا کیونکہ یہ حروف جواب دینے، تصدیق، تحقیق اور اثبات کے واسطے آتے ہیں ایجاب سے مراد مقابل نفی، نفی نہیں بلکہ جواب دینا ہے خواہ ماسبق کی تقریر کے ساتھ ہو خواہ نفی سابق کے اثبات کیساتھ ان حروف ایجاب کا دوسرا نام حروف تصدیق بھی ہے۔ (مصباح ص:۳۰۲، حاشیہ ہدایت النحو ص:۱۱۵)

نعم میں چار لغت ہیں

حروف ایجاب میں سے ایک نعم ہے اس میں چار لغت ہیں (۱) نَعَم نون وعین کا فتحہ اور یہ مشہور لغت ہے (۲) نَعِم نون کا فتحہ اور عین کا کسرہ (۳) نَحَمْ نون کا فتحہ عین مفتوحہ کو حاء حلقی سے بدل لیتے ہیں (۴) نِعِم نون اور عین کا کسرہ۔ (درایہ ص:۲۶۲، مصباح ص:۳۹۳)

حروف زیادہ کی وجہ تسمیہ

حروف زیادہ سات ہیں چونکہ یہ حروف فی الکتاب کبھی کلام میں زائد آتے ہیں یعنی جب یہ چاہتے ہیں کہ کلام میں کسی حرف کو زائد لائیں تو ان حرفوں میں سے لاتے ہیں اس وجہ سے یہ حروف اس نام کے ساتھ موسوم ہو گئے اور ان حروف کا نام حروف صلہ بھی ہے۔

(مصباح ص:۳۰۶، درایہ ص:۲۶۴)

حروف زیادت کا مطلب

حروف زیادت کا یہ مطلب نہیں کہ یہ ہمیشہ زائد ہوتے ہیں بلکہ ان کے زیادہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان کو کلام سے حذف کر دیا جائے تو اصل معنی میں کوئی خلل نہ آئے اور ان کے زائد ہونے کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ان کے ذکر میں کچھ فائدہ نہیں کیونکہ کلام عرب میں ان کے فوائد لفظی اور معنوی دونوں ہیں فوائد لفظی لفظ کی فصاحت، تزئین عبارت، تحسین کلام اور وزن شعر کی استقامت اور حسن سجع وغیرہ۔ فائدہ معنوی تاکید معنی ہے اگر یہ حروف دونوں قسم کے فائدوں سے خالی رہتے ہیں تو پھر کلام میں ان کا لانا بے سود ہوگا اور فصاحتِ کلام سے گر جائے گا بالخصوص خالق ارض وسمٰوٰت کے کلام میں حشو زائد لازم آئیگا جو کہ ناروا ہے۔ **وَمَعْنٰی زیادتها انهٗ لایختلُّ اصل المعنی بسقوطها لانها لافائدة لها فی کلام العرب بل لها فوائد الخ.**

(تحریر سنبٹ ص:۲۷۶، روایہ ص:۱۴۱، مصباح ص:۳۰۶)

حروف مصدریہ کی وجہ تسمیہ

صاحب مصباح کے قول کے مطابق حروف مصدریہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ حروف جملہ کو مصدر کے حکم میں کردیتے ہیں اس وجہ سے ان کو حروف مصدریہ کہتے ہیں لیکن محشی ہدایت النحو نے عبدالرحمٰن ملا جامیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حروف مصدریہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ حروف اپنے صلہ کو مصدر کے حکم میں کردیتے ہیں یعنی اپنے معنی پر صلہ کے رہنے کے باوجود اس پر مصدر کے احکام حاوی ہوجاتے ہیں جیسے بِمَا رَحبَتْ ای بَرُحْبِهَا مصدر کے معنی میں ہے اس لئے ان حروف کو حروف مصدریہ کہتے ہیں۔

(فوائد ضیائیہ ص: حاشیہ ہدایۃ النحو ص:۱۱۷، مصباح ص:۳۰۸)

حروف جر کی وجہ تسمیہ

حروف جر کو حروف جار یا جراس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ حروف اپنے مدخول کو جر کرتے ہیں بعض نے یہ وجہ تسمیہ بیان کی ہے کہ جر کے معنی کھینچنا چونکہ یہ حروف بھی معانی افعال کو اپنے مدخول کی طرف کھینچتے ہیں اوران حروف کا دوسرا نام حروف اضافت بھی ہے چونکہ اضافت کے معنی ہیں ملانا اور یہ حروف فعل یا شبہ فعل یا معنی فعل کو اپنے معمول سے ملادیتے ہیں لہٰذاان حروف کا نام حروف اضافت رکھدیا گیا۔

(تحریر سنبٹ ص:۲۶۴، روایہ ص:۱۲۶، مصباح ص:۲۷۶)

شبہ فعل ومعنی فعل کی توضیح

شبہ فعل وہ شئی ہے جو فعل کا سا عمل کرے اور فعل کے مادہ سے ہو جیسے مصدر، اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، افعل التفضیل اور معنی فعل سے مراد وہ ہے جس سے معنی فعل مستنبط ہوتے ہیں اور فعل کے مادہ سے نہ ہو جیسے ظرف، جار مجرور، حرف نداء حرف تنبیہ، اسماء اشارات، اسماء افعال، حروف تمنی وترجی چنانچہ یہ سب معنی فعل پر دلالت کرتے ہیں۔

(درایہ ص:۲۴۰، روایہ ص:۱۲۶)

رب میں سولہ ۱۶/ لغات ہیں

حروف جار میں سے ساتواں حرف جر رب ہے اس میں سولہ لغات ہیں جن کو علامہ ہشام صاحب مغنی اللبیب نے بیان کیا ہے اول ضم راء ابن تشدید باء جیسے رُبَّ (۲) ضم را وتخفیف باء جیسے رُبَ (۳) فتح راوتشدید باء جیسے رَبَّ (۴) فتح راوتخفیف باء جیسے رَبَ (۵) ضم راوتشدید باء مع التاء التانیث ساکنہ جیسے رُبَّتْ (۶) ضم راء وتخفیف باء مع تاء تانیت ساکنہ جیسے رُبَتْ (۷) فتح راء وتشدید باء مع تاء مذکور جیسے رَبَّتْ (۸) فتح راء وتخفیف باء مع تاء مذکور جیسے رَبَتْ (۹) ضم راء وتشدید باء مع تاء تانیث متحرکہ جیسے رُبَّتُ (۱۰) ضم راء وتخفیف باء مع تاء مذکور جیسے رُبَتَ (۱۱) فتح راء وتشدید باء مع تاء مذکور جیسے رُبَّتَ (۱۲) فتح راء تخفیف باء مع تاء مذکور جیسے رَبَتَ (۱۳) ضم راء مع سکون باء جیسے رُبْ (۱۴) فتح راء وسکون باء جیسے رَبْ (۱۵) ضم راء مع باء مشددہ جیسے رُبُّ (۱۶) ضم راء مع ضم باء مخففہ جیسے رُبُ

(مغنی اللبیب بحوالہ حاشیہ ہدایۃ النحو ص:۱۰۴، مصباح ص:۲۸۵)

غایات کی وجہ تسمیہ

وہ ظرف جو اضافت سے قطع کردیئے جاتے ہیں ان کو غایات کہا جاتا ہے، غایات جمع ہے غایت کی بمعنی منتہیٰ الشئی ان کو غایات اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان کو بولنے کے بعد یہ توقع ہوتی ہے کہ ان کا تکلم ان کے مضاف الیہ پر ختم ہوگا جب ان کے مضاف الیہ کو بلاعوض حذف کردیا تو خلاف توقع ان کا تکلم ان پر ختم ہوگیا تو گویا کہ یہ نطق میں غایت ہوگئے اس وجہ سے ان کا نام غایات رکھدیا بخلاف ان کے جن کے مضاف الیہ کو حذف کر کے عوض میں تنوین وغیرہ لے آتے ہیں جیسے کلٌ بعضٌ تو ان کو غایات نہیں کہا جائے گا چونکہ وہاں ان پر غایات تکلم کی نہیں ہوئی ہے بلکہ مضاف الیہ پر ہوئی غایات کی وجہ تسمیہ صاحب روایۃ النحو نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ظروف مقطوع عن الاضافت کا نام غایات اس لئے رکھا گیا ہے کہ کلام کی غایت اور انتہاء ان کا مضاف الیہ تھا لیکن جب اس کو حذف کردیا گیا تو یہ ظرف کلام کی غایت ہوگئے لہٰذا ان کا نام غایات رکھا گیا۔

(مصباح ص:۲۰۶، روایہ ص:۸۷)

ضمیر شان وقصہ کی وجہ تسمیہ

ایسے ضمیر کا نام (جو جملہ سے پہلے بلا مرجع ایک ضمیر غائب ہو) مذکر میں ضمیر شان و مؤنث میں قصہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ دونوں ضمیریں معہود فی الذہن ہی کی جانب لوٹتی ہیں انما یسمیٰ ھٰذا الضمیر ضمیر الشان والقصة لانهٗ عائد الیٰ ماھوا لمعھود فی الذھنِ الخ. (غایۃ التحقیق بحوالہ کافیہ ص:۶۷ درایۃ النحوص:۱۶۴)

نحو کی وجہ تسمیہ

علم نحو کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف اقوال ہیں ایک وجہ تسمیہ تو یہ ہے کہ نحو لغت میں بمعنی ارادہ بولا جاتا ہے نَحَوْتُهٗ میں نے اس کا ارادہ کیا، تو علم نحو کو نحو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس علم کی تدوین میں کلام عرب کی طرف قصد وارادہ ہے تا کہ وہ حضرات جو اہل لغت میں سے نہیں ہیں فصاحت میں اہل لغت کے ساتھ سامل ہو جائیں۔ (روایۃ النحوص:۷)

دوسری وجہ تسمیہ

اس علم کا نحو نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ ابوالاسود دوئلیؒ نے ایک روز ایک مرد سے سنا کہ وہ آیت کریمہ اِنَّ اللّٰهَ بَرِیٌٔ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَرَسُوْلُهٗ کے لام کو جر کے ساتھ پڑھتا ہے، وہ یہ سنکر غصہ ہوئے اور فرمایا کہ اس طرح پڑھنا کفر ہے اس لئے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ مشرکین اور اپنے رسول سے بیزار ہے اس کے بعد وہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ قصہ بیان کیا اور کہا کہ نحوتُ اَنْ اَضَعَ مِیْزَاناً للعربِ لیقوّموا اَلسنتھُمْ یعنی میں ارادہ رکھتا ہوں کہ اہل عرب کے لئے ایک میزان اور قانون بناؤں جس کے ذریعہ وہ اپنی زبان کو ٹھیک رکھیں حضرت علی نے فرمایا اُقْصُدْهٗ نَحْوَهٗ اس کی طرف تم ارادہ کرو لہٰذا ان قواعد وضوابط کا نام تبرکاً نحو رکھدیا گیا۔[1] (روایہ ص:۷)

[1] ...... علم النحو کی تدوین اور وضع بلکہ پوری تاریخی معلومات کے لئے مؤلف کی تصنیف ''تاریخ نحو'' ملاحظہ فرمائیں۔

صرف کی وجہ تسمیہ

صرف کے معنی لغت میں کسی شئی کو ایک حال سے دوسری حالت کی طرف پھیرنا گھومانا چونکہ علم الصرف میں ایک لفظ کو مختلف صیغوں میں گردانا جاتا ہے تاکہ اس سے معانی مختلفہ صادر ہوں۔ گردانیدن چیزیست از حالی بحالی۔ (حاشیہ علم الصیغہ ص:۲ صرف میر ص:۲)

رفع کی وجہ تسمیہ

حرکت رفع کی دو وجہ تسمیہ ہیں ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس کے معنی بلندی کے آتے ہیں چنانچہ اسکے تلفظ کے وقت نیچے کا ہونٹ اوپر کو اٹھ جاتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ رفع اپنے اخوین (نصب جر) پر بلند اور عالی مرتبہ ہوتا ہے، کیونکہ یہ عمدۃ کلام فاعل ہونے کی وجہ ہے انما سمی الرفع رفعاً لارتفاع الشفعة السفلیٰ عند التلفظ بہٖ او لرفعة مرتبتہٖ بین اخوین لکونہٖ علما لماھو عمدة الکلام وھو الفاعل (تحفہ خادمیہ بحوالہ تحریر سنبٹ ص:۲۸، غایۃ التحقیق بحوالہ کافیہ ص:۴۰ درایہ ص:۴۰)

نصب کی وجہ تسمیہ

نصب کے معنی لغت میں قائم کرنا، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کے تلفظ کے وقت دونوں لب اپنی حالت پر قائم رہتے ہیں، یا یہ کہ یہ کلام کے اندر فضلہ کو قائم کرتا ہے، نصب سمی نصباً لانتصاب الشفتین علیه عند التلفظ بهٖ او لانهٗ ینصب الفضلة ای یقیمها فی الکلام من غیر ان یحتاج الیهِ الکلام. الخ. (حوالہ بالا درایہ ص:۴۰)

جر کی وجہ تسمیہ

جر کے معنی لغت میں کھینچنے کے آتے ہیں ایک وجہ تسمیہ تو یہ ہے کہ اس کے تلفظ کے وقت لب زیر لفظ کو نیچے کی طرف کھنچتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا عامل فعل کو یا معنی فعل کو اسم کی طرف کھینچتا ہے سمی الجر جراً لانَّ عاملهٗ یجرُّ الفعل الیٰ الاسم او لان الشفة یجر الی الاسفل عند التلفظ. (تحفہ خادمیہ بحوالہ تحریر سنبٹ ص:۲۸، درایہ ص:۴۰)

ضمہ کی وجہ تسمیہ

ضم کے معنی لغت میں ملنے ملانے کے آتے ہیں چونکہ اس کے تلفظ کے وقت دونوں ہونٹ مل جاتے ہیں سمی الضم ضما لحصولهٖ بضم الشفتین الخ.

(حاشیہ کافیہ ص:۶۴، روایہ ص:۷۷، مصباح ص:۱۸۶، درایہ ص:۱۶۰)

فتحہ کی وجہ تسمیہ

فتحہ کوفتحہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کی ادائیگی کے وقت دونوں ہونٹ کھل جاتے ہیں لہٰذااس کانام فتحہ رکھا گیاسمی لفتح فتحا لافتاح الفم فی التلفظ (ایضاً)

کسرہ کی وجہ تسمیہ

کسرہ کے تلفظ میں چونکہ نیچے کاہونٹ منکسر ہوجاتا ہے یعنی اس کے تلفظ میں نیچے کا ہونٹ اوپر کے ہونٹ سے علیحدہ ہوجاتا ہے اس لئے اس کا نام کسرہ رکھا گیا۔ سمی الکسر لانکسار الشفة السفلیٰ فی التلفظ (حوالہ بالا)

مثال کی وجہ تسمیہ

معتل فاء کادوسرانام مثال ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ "مثال" مثل (طرح) کے معنی میں ہے چونکہ معتل فاء(وَعَد یَسَرَ) قلت تعلیل میں "صحیح" کی طرح ہے اس لئے اس کومثال کہتے ہیں یعنی جیسے ہفت اقسام کی ایک قسم صحیح میں تعلیل شاذ ونادر ہوتی ہے اسی طرح "مثال" میں تعلیل کم ہوتی اس مماثلث ومشابہت کیوجہ سے معتل فاء کومثال کہا جاتا ہے "معتل فاء رامثال بایں جہت گویند کہ مثل صحیح است بسبب قلت اعلال دراں"

(حاشیہ علم الصیغہ ص:۴)

اجوف کی وجہ تسمیہ

اجوف کے معنی لغت میں کھوکھلا اور پیٹ کے آتے ہیں چونکہ وہ کلمہ اپنے پیٹ میں حرف علت رکھتا ہے یااس وجہ سے کہ اس کا جوف حرف صحیح سے کھوکھلا رہتا ہے۔

(حاشیہ صرف میر ص:۶)

معتل کی وجہ تسمیہ

معتل علت سے مشتق ہے چونکہ اس کلمہ میں حرف علت ہوتا ہے اس وجہ سے اسے معتل کہتے ہیں، معتل مشتق است از علت (حاشیہ علم الصیغہ ص:۴)

مہموز کی وجہ تسمیہ

مہموز یہ ہمزہ سے ماخوذ ہے چونکہ اس فعل میں فاء عین یالام کلمہ کی جگہ ہمزہ ہوتے ہیں اس وجہ سے اس کا نام مہموز رکھا گیا۔ (حوالہ بالا)

صحیح کی وجہ تسمیہ

صحیح کے معنی لغت میں درست اور اچھا کے آتے ہیں چونکہ جو فعل حروف علت اور دو مکرر حرف یک جنس سے خالی ہوتا ہے تو گویا کہ وہ اچھا ہے اس وجہ سے اس کو صحیح کہتے ہیں۔
(حاشیہ صرف میر ص:۵)

ناقص کی وجہ تسمیہ

ناقص بمعنی کم کے آتے ہیں چونکہ آخر سے حرف علت زیادہ تر ساقط ہو جاتا ہے لہٰذا اس کلمہ کی بنا میں ایک نقصان اور کمی واقع ہو جاتی ہے اس وجہ سے اس کو ناقص کہتے ہیں۔
(صرف میر ص:۶، علم الصیغہ ص:۴)

مضاعف کی وجہ تسمیہ

مضاعف کے معنی لغت میں مکرر اور دوگنا کے آتے ہیں چونکہ اس میں ایک جنس کا دو حرف مکرر آجاتا ہے اس وجہ سے اس کو مضاعف کہا جاتا ہے۔ (صرف میر ص:۵)

لفیف کی وجہ تسمیہ

لفیف کے معنی لغت میں پیچیدہ اور لپٹنے کے آتے ہیں اسی سے لفافہ ہے چونکہ حرف صحیح میں دو حرف علت لپٹ جاتے ہیں اس وجہ سے اس کا نام لفیف رکھا گیا۔ لفیف بمعنی پیچیدہ است الخ۔ (علم الصیغہ ص:۴، صرف میر ص:۷)

جاری مجرای صحیح کی وجہ تسمیہ

چونکہ اعراب لفظی اس حرف علت پر جس کا ماقبل ساکن ہو ثقیل نہیں ہوتا اس لئے کہ خفت سکون ثقالت حرکت کے معارض ہوتی ہے لہٰذا اس کو صحیح کا قائم مقام کیا گیا اور چونکہ اس میں قدر ثقل باقی رہتا ہے اس لئے وہ مکمل صحیح بھی نہیں ہو سکتا۔ (روایۃ النحو ص:۱۹)

ترکیباتِ مشکلہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

رکن الدین: استادِ محترم کلمۂ توحید لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی ترکیب کس طرح ہوگی استثناء نہیں مان سکتے کیونکہ استثناء متصل کی صورت میں اللّٰہ کا اِلٰہ میں داخل ہونا پایا جائے گا جو کہ معبود ان باطلہ میں ادخال اور معبود کا متعدد ہونا لازم آئے گا اور منقطع کی صورت میں معبود حقیقی اللہ کا استثناء اور خروج لازم آئے گا جو کلمۂ توحید کے منافی ہے۔

ثاقب: اس کی ترکیب یوں ہے لَا حرف نفی جنس اِلٰہ موصوف اِلَّا بمعنی غیر صفت مضاف اسم جلال اللّٰہ مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر اِلٰہ موصوف کی صفت، موصوف صفت سے ملکر لاء نفی جنس کا اسم ''معبود'' خبر محذوف لاء نفی جنس اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا، اس صورت میں موصوف صفت میں مطابقت بھی ہے کیونکہ اِلٰہ نکرہ موصوف اور اِلَّا اللّٰہ صفت نکرہ اس لئے کہ غیر مثل میں کثرت ابہام ہوتی ہے جو بوقت اضافت بھی نکرہ رہ جاتا ہے، دوسری ترکیب اِلٰہ اسم اور معبود کی ضمیر سے اللّٰہ بدل قرار دیا جاسکتا ہے مگر یہ مرجوح قول ہے۔ (اعراب القرآن ۲۲۴/۲۶)

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ

مُحَمَّدٌ مبتدا رسول مضاف اسم جلال اللّٰہ مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر خبر مبتدا اپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔ دوسری ترکیب جس کو صاحب اعراب القرآن علامہ محمد الصافی نے بیان کیا ہے محمد موصوف رسول مضاف اللّٰہ مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر صفت، موصوف صفت سے ملکر مبتدا اور خبر محذوف بَشَرٌ مبتدا اپنی خبر محذوف سے ملکر جملہ اسمیہ ہوا، مگر راقم کہتا ہے کہ ترکیبِ اول راجح اور ترکیبِ ثانی مرجوح کیونکہ یہ مستقل جملہ ہے اور ترکیب ثانی میں مستقل جملہ نہیں بنتا۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

صَلَّی فعل ماضی معروف اللہ فاعل علی حرف جار ہٖ ضمیر محلاً مجرور جار مجرور سے ملکر صلّی کے متعلق صلّی فعل فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ حرف عطف سَلَّمَ فعل ماضی معروف ضمیر ھو پوشیدہ (مرجع اللہ) فاعل، فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف، معطوف علیہ معطوف سے ملکر جملہ معطوفہ ہوا۔

مَدَّ ظِلُّہُ الْعَالِیْ

مدّ فعل مجہول ظلّ مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے ملکر موصوف ہوا العالی صفت کا موصوف اپنی صفت سے ملکر نائب فاعل، فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

زِیْدَ مَجْدُکُمْ

زِیْدَ فعل مجہول مجد مضاف کم مضاف الیہ، مضاف، مضاف الیہ سے ملکر نائب فاعل فعل مجہول اپنے نائب فاعل سے ملکر جملہ انشائیہ، زیدت معالیکم کی بھی یہی ترکیب ہے

دَامَتْ بَرَکَاتُہُمْ

دَامت فعل ماضی مؤنث معروف برکات مضاف ھُمْ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے ملکر فاعل فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ

رحمۃ مصدر مضاف اللہ اسم جلال مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے ملکر مبتدا علیٰ حرف جار ہٖ ضمیر محلاً مجرور جار مجرور سے ملکر متعلق ہوا نَازِلَۃٌ محذوف کے نازلۃ اپنے فاعل محذوف اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر خبر ہوئی، متبدا خبر سے ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

رَضِیَ فعل ماضی معروف اللہ فاعل عن حرف جار ہٗ ضمیر محلاً مجرور جار مجرور سے ملکر متعلق ہوا رضی فعل کا فعل اپنے فاعل و متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ۔

قُدِّسَ سِرُّهٗ

قدس فعل ماضی مجہول سرّ مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے ملکر نائب فاعل فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ۔

غُفِرَ لَہٗ

غفر فعل ماضی مجہول اس کا مصدر المغفرۃ نائب فاعل ل حرف جارہٗ ضمیر مجرور جار مجرور سے ملکر متعلق ہوا غفر کا، غفر فعل نائب فاعل متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

حَفِظَہُ اللّٰہ

حفظ فعل ماضی معروف ہٗ ضمیر مفعول بہ مقدم اللہ اسم جلال فاعل مؤخر فعل اپنے فاعل مؤخر اور مفعول بہ مقدم سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

سَلَّمَہٗ

سلّم فعل ماضی معروف ضمیر ھُوَ پوشیدہ فاعل مرجع اللہ ہٗ ضمیر مفعول بہ فعل فاعل مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ

سبحان مصدر مضاف رب مضاف الیہ مضاف یاء ضمیر مضاف الیہ مرکب اضافی ہوکر موصوف العظیم صفت موصوف صفت سے ملکر مضاف الیہ سبحان مصدر کا، سبحان مصدر اپنے مضاف الیہ سے ملکر مفعول مطلق ہوا فعل محذوف سبّحتُ کا فعل اپنے فاعل مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ

نَوَّرَ فعل ماضی معروف اللہ اس کا فاعل مَرْقَدَ مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے ملکر مفعول بہ، فعل فاعل مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ

اللہ اسم جلال مبتدا اکبر صیغہ اسم تفضیل شبہ فعل ضمیر پوشیدہ فاعل من حرف جار کُلّ مضاف شئیٌ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے ملکر مجرور، جار مجرور سے ملکر متعلق ہوا اکبر کا اکبر اپنے محذوف فاعل اور متعلق سے ملکر خبر مبتدا اپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

السّلام صیغہ صفت علیٰ حرف جار کُم ضمیر محلًا مجرور جار جار مجرور سے ملکر متعلق ہوا السّلام کے السلام اپنے متعلق سے ملکر مبتدا اول واؤ حرف عطف رحمۃ مصدر مضاف اللّٰہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے ملکر مبتدا ثانی واؤ حرف عطف برکات مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ سے ملکر مبتدا ثالث تینوں مبتدا نازلٌ محذوف خبر سے ملکر جملہ معطوفہ ہوا۔

یُوسُفُ زلیخا

منادیٰ مرخم ہے حرف ندا محذوف یوسف کی اصل فاء ترخیم کی گئی، موجودہ فِ (ق) کے وزن پر وَفَاءٌ سے مشتق ہے تقدیر عبارت یایوسوفِ زلیخا. اے یوسف زلیخا سے وفاداری کر۔

اَنَّ زَیْدٌ کَرِیْمٍ

سوال:۔ یہ جملہ غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ شروع کلام میں اِنَ بکسرالھمزہ آتا ہے نیز ان کے بعد منصوب ہونا چاہئے مگر مرفوع ہے اور کریم کو مرفوع ہونا چاہئے تو مجرور ہے؟

جواب:۔ آپ مغالطہ میں پڑ گئے یہ جملہ فعلیہ ہے اور اَنَّ اَنِیْنَ بمعنی رونا سے مشتق ہے زیداِس کا فاعل اور کریم کا کاف تشبیہ اور لفظ رِیمٍ (ہرن کا بچہ) سے مرکب ہے یعنی زید ہرن کے بچہ کی طرح رویا۔

یَابَابُلِ

سوال:۔بابل مفرد معرفہ مبنی علی الضم ہونا چاہیے مکسور کیوں ہے؟

جواب:۔بابل منادیٰ مرخم ہے چوتھا حرف یعنی لام حذف کردیا گیا اور لام مکسور جو نظر آرہا ہے۔الوَلایۃ سے صیغہ امر ہے اصل میں یَابَابُلُ لِ تھا اے بابل متولی بنجا۔

یَاْمُنِیْرَ

یہ بھی منادیٰ مرخم ہے چوتھا حرف (رَ) کو حذف کردیا گیا اور بفتح الراء الرویہ سے صیغہ امر ہے اصل میں یامنیر رَ تھا اے منیر تو دیکھ۔

اَلْمُسْلِمُ کَافِرٌ

سرور: استادِ محترم! مسلمان کافر کیسے ہوسکتا ہے؟

ثاقب: عزیزم! کافر یہاں چھپانے والا یعنی کاشتکار کے معنی میں ہے کیونکہ زمین میں وہ بیج کو چھپاتا ہے اور مسلمان کاشتکار ہوتا ہے لہٰذا اشکال کی کیا بات ہے۔

فرق کا بیان

علم اور فن میں فرق

علم وفن میں فرق یہ ہے کہ علم وفن میں نظری اور عملی کا فرق ہے یعنی علم کسی چیز کے خالص جان لینے کا نام ہے۔ کسی بھی علم کے لئے قواعد، اصول ربط و تعلق کو سمجھ لینا کافی ہے اور عملی میدان میں مشق کے ذریعہ اس پر حاوی ہونے کا نام فن ہے حصول فن کے لئے اعضاء جسمانی کی مشق ضروری ہے، چنانچہ علم نحو، صرف، نجوم، یہ سب علوم ہیں اور فن تجوید، سپہ گری، لوہاری، نجاری یہ سب فنون ہیں۔ (تذکرۃ قاریان ہند ص: ۱۲ مطبوعہ کراچی)

جملہ اور کلام میں فرق

مذہب مختار کے مطابق دونوں مترادف کلمے ہیں لیکن بعض حضرات کے نزدیک دونوں میں فرق ہے۔ جس کو محشی کافیہ نے علامہ ابن ہشام نحوی کی گرانقدر تصنیف مغنی اللبیب کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ جملہ میں مطلق اسناد اصلی کی شمولیت ہوتی ہے خواہ وہ مقصود لذاتہٖ ہو یا نہ ہو اور کلام میں اسناد اصلی مع مقصود لذاتہٖ ہوتی ہے یعنی دونوں میں عام خاص مطلق کی نسبت پائی جاتی ہے اس اعتبار سے ہر کلام جملہ ہو سکتا ہے لیکن ہر جملہ کلام نہیں ہو سکتا کیونکہ خاص میں عام متضمن ہوتا ہے لیکن عام میں خاص نہیں پایا جاتا۔ **الاسناد فی تعریف الکلام هو الاسناد المقصود لذاته والاسناد فی تعریف الجملة الخ.**

(تحریر سنبٹ ص: ۱۶ معنی اللبیب بحوالہ کافیہ ص: ۳۰، شرح رضی ۱۸/۱)

سالم اور صحیح میں فرق

اکثر علماء صَرف کے نزدیک دونوں مترادف ہیں اور بعض لوگوں نے دونوں میں فرق بیان کیا ہے کہ صحیح وہ ہے جس میں امور ثلثہ یعنی حروف اصلی کی جگہ ہمزہ اور حرف علت اور مضاعف کے انتفاء کی شرط ہو اور سالم وہ ہے جس میں فقط حرف علت نہ ہو خواہ ہمزہ اور تضعیف ہو یا نہ ہو اور بعض حضرات نے اس کا برعکس کیا ہے کہ صحیح وہ ہے جس میں فقط

حرف علت کی انتفاء ہو خواہ ہمزہ اور تضعیف ہو یا نہ ہو اور سالم وہ ہے جس میں ہمزہ اور حرف علت اور مضاعف نہ ہو" باید دانست کہ سالم پیش اکثر علماء صرف مرادف صحیح است وبعضے الخ"

(نغزک ص:۱۳)

اسم تفضیل اور مبالغہ میں فرق

صیغۂ مبالغہ اور اسم تفضیل کے معنی میں فرق یہ ہے کہ صیغۂ مبالغہ میں معنی فاعلیت کی زیادتی بغیر کسی تقابل کے فی حد ذاتہ مقصود ہوتی ہے کسی دوسرے کا لحاظ نہیں جیسے علامہ بہت زیادہ جاننے والا اور اسم تفضیل میں زیادتی دوسرے کے مقابلہ میں ہوتی ہے جیسے زیدٌ افضلٌ من عمرو. زید عمرو سے زیادہ اچھا ہے اسی طرح اللہ اکبر اللہ ہر چیز سے بڑا ہے اس میں معنی نسبت مقدر ہے۔ فرق در صیغۂ مبالغہ واسم تفضیل انیست کہ در صیغہ مبالغہ منظور زیادت می باشد الخ۔

(علم الصیغہ ص:۱۶)

صرف اور تصریف میں فرق

متاخرین کے نزدیک صرف اور تصریف دونوں مترادف لفظ ہیں مگر امام النحو سیبویہ کہتے ہیں کہ تصریف صرف کا جز ہے اور صرف نحو کا جز ہے۔

(حاشیہ صرف میر ص:۳، شرح شافیہ ص:۶ ج:۱)

تمنی اور ترجی میں فرق

تمنی اور ترجی میں باہم فرق یہ ہے کہ تمنی ممکنات اور ممتنعات دونوں کے لئے آتا ہے یعنی تمنی میں امکان شرط ضروری نہیں ناممکن شئی کے لئے بھی تمنا کی جاسکتی ہے جیسے یٰلَیْتَنِی کُنْتُ تُرَابًا اور ترجی میں امکان متمنیٰ شرط ہے یعنی جس کا حصول ممکن ہو جیسے لَعَلَّ السَّاعَۃَ قَرِیْبٌ یہی وجہ ہے کہ لَعَلَّ الشَّبَابَ یَعُوْدُ کہنا درست نہیں کیونکہ جوانی کا عود کر جانا ممکن نہیں بلکہ ممتنع ہے۔

(شرح مأۃ عامل ص:۱۹، مصباح ص:۲۹۶)

صحیح نحوی و صحیح صرفی میں فرق

صحیح کی تعریف میں کثیر اور مختلف اقوال ہیں مگر اختصار کے مدنظر فقط صرفی اور نحوی کے مابین فرق کو سپرد قلم کرتے ہیں نحویوں کی اصطلاح میں صحیح اسے کہتے ہیں جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو خواہ اول یا وسط کلمہ میں ہو یا نہ ہو جیسے زید وحید اور صرفیوں کے نزدیک صحیح وہ ہے جس کے حروف اصلی کی جگہ میں ہمزہ اور حرف علت اور تضعیف نہ ہو جیسے ضَرَبَ لہٰذا صحیح نحوی اور صحیح صرفی کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے صحیح نحوی عام ہے اور صحیح صرفی خاص۔ الصحیح عند النحاۃ لایکون فی اٰخرہ حرف علۃ واما الصحیح الصرفیین ما سلمت حروف الاصلیۃ الخ. (الہامیہ ص:۴۸ روایہ ص:۱۹)

اَمَّا بالفتح اور اِمَّا بالکسر میں فرق

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اول یعنی اَمَّا بالفتح یہ حرف شرط ہے جو تفصیل کے لئے آتا ہے اور اس کے جواب پر فاء کا آنا ضروری ہے اور ابتداء کلام میں ہو تو یہی مستانفہ کہلاتا ہے اور اِمَّا بالکسر یہ حرف عطف ہے اگر ایک اِمَّا کے بعد دوبارہ یا تو حرف اَو آرہا ہو یا اِمَّا ہی آرہا ہو تو اس صورت میں اِمَّا بالکسر حرف عطف ہوگا جیسے باری تعالیٰ کا قول اِمَّا شَاكِراً وَّاِمَّا كَفُوراً اور اگر اَمّا کے بعد فاء آرہا ہو یا کچھ نہ آرہا ہو تو اَمّا بالفتح ہوگا جیسے اَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِيْ الْجَنَّةِ اور اَمّا بَعْدُ.

اَوَ بفتح الواو اور اَوْ بسکون الواو میں فرق

اَوَ اور اَوْ میں فرق یہ ہے کہ اَوَ اصل میں وَأ ہے چونکہ ہمزہ صدارت کلام کا مقتضی ہوتا ہے اس لئے ہمزہ کو واوَ پر مقدم کردیا جاتا ہے جیسے اَوَ لَايَعْلَمُوْنَ اصل میں وَألَايَعلمُوْنَ یعنی اور کیا وہ لوگ نہیں جانتے اور اَوْ بالسکون یہ حرف عطف ہے۔

مثال اور نظیر میں فرق

نظیر اس جزئی کو کہا جاتا ہے جو ماقبل کی وضاحت کرے اور اس کا فرد نہ ہو مثلاً کہا جائے كُلُّ فَاعِلٍ مَرْفُوعٌ جیسے زَيْدٌ عَالِمٌ میں زید مرفوع ہے چونکہ زید مرفوع تو ہے مگر

فاعل نہیں بلکہ مبتدا ہے تو یہ ممثل لہٗ کا فرد نہیں اور مثال اس جزئی کو کہتے ہیں جو ماقبل کی وضاحت کردے اور اس کا فرد بھی ہو یعنی اگر مثال ممثل لہٗ کے افراد میں سے ہو تو اس کو مثال کہا جاتا ہے جیسے كُلُّ فاعلٍ مرفُوعٌ كَزَيْدٍ فِيْ ضَرَبَ زَيْدٌ تو زید یہاں مرفوع بھی ہے اور فاعل بھی ہے وَفِيْ الْمَثِيْلِ يَكُوْنُ المثل فی افراد الممثل لهٗ الخ.

(الکلام المنظم ص:۴۷،شرح مولوی مبین ۱۸/۱)

ما اور لاء نفی میں فرق

مَا ماضی اور مضارع دونوں پر داخل ہوتا ہے اور لا مضارع ہی پر داخل ہوتا ہے ماضی پر لا کے داخل ہونے کے لئے کئی شرطیں ہیں (۱) لا کے تکرار کے ساتھ جیسے فَلاَ صَدَّقَ وَلاَ صَلّٰى (۲) مقام دعاء (۳) جواب قسم۔ (علم الصیغہ ،میزان ص:۶)

لا نفی اور لا نہی میں فرق

لاء نفی میں نہ کرنے یا نہ ہو کی خبر مقصود ہوتی ہے اور لاء نہی میں انشاء۔ (علم الصیغہ ص:۸)

لا نہی اور لم میں فرق

یہ دونوں اپنے مابعد کو جزم دیتے ہیں اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ لم کا مدخول جملہ خبریہ ہوتا ہے جو صدق اور کذب کا احتمال رکھتا ہے اور لا نہی کا مدخول جملہ انشائیہ ہوتا ہے جو صدق و کذب کے احتمال سے منزہ ہوتا ہے۔ (علم الصیغہ ص:۸)

لم اور لما میں فرق

لَمْ اور لَمَّا دونوں مضارع کو ماضی منفی کے معنی میں کردیتے ہیں مگر دونوں میں فرق کئی طرح ہے (۱) لَمْ مطلقاً نفی کے لئے آتا ہے اور لَمَّا نفی استغراق یعنی نفی وقت انتفاء سے لیکر وقت تکلم تک تمام ازمنہ سابقہ کو شامل ہوتی ہے۔ (۲) اور لمّا کا استعمال اکثر اس فعل میں ہوتا ہے جس کے وقوع کی توقع ہوتی ہے۔ (۳) لمّا کے فعل کا حذف کرنا جب کہ اس پر کوئی قرینہ موجود ہو تو جائز ہے بخلاف لم کے کہ اس میں حذف کرنا جائز نہیں۔ (۴) لمّا پر حروف شرط داخل نہیں ہوتے بخلاف لم کے۔ (ہدایت النحو ص:۸۷ مصباح ص:۲۵۴)

لام کَیْ اور لام جحد میں فرق

لام کئ اور لام جحد دونوں میں لفظی اور معنوی فرق ہے، لفظی فرق یہ ہے کہ لام جحد ہمیشہ کان نفی کے بعد آتا ہے بخلاف لام کئ کے، اور معنوی فرق یہ ہے کہ لام کئ علت اورسبب کے لئے آتا ہے اوراس لام کے گرنے سے معنی میں خلل پیدا ہوتا ہے بخلاف لام جحد کے یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الخ. وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُظْلِمَهُمْ

(منہل بحوالہ ہدایت النحوص:۸۵)

نون ثقلیہ ونون خفیفہ میں فرق

نون ثقیلہ نون مشددہ کو کہتے ہیں اور یہ مضارع کے تمام صیغوں میں آتا ہے اورنون خفیفہ نون ساکن کو کہتے ہیں اور یہ آٹھ صیغوں میں آتے ہیں یعنی جن صیغوں میں ماقبل نون تقیلہ الف ہوگا وہاں نون خفیفہ نہیں لایا جائے گا کیونکہ الف اورنون میں اجتماع ساکنین لازم آئے گا اور یہ دونوں مستقبل کے ساتھ خاص ہو جاتے ہیں۔

(علم الصیغہ ص:۹،مع زیادۃ)

شاذ ونادر میں فرق

شاذ کہتے ہیں جو خلاف قیاس ہو اور یہ کلام عرب میں زیادہ ہے اورنادر وہ ہے جو موافق قیاس ہو لیکن اس کا وجود قلیل ہو۔(التعریفات ص:۱۲۰)

اسم فاعل اور صفت مشبہ میں فرق

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ معنی مصدری پر دلالت کرنے والا اسم فاعل میں صفت عارضی ہوتی ہے یعنی شروع سے نہ ہو بلکہ کسی خاص وقت میں وہ متصف ہوجاتا ہے اور یہ حدوث پر دلالت کرتا ہے استمرار پر نہیں مثلاً حائضٌ وطالقٌ تو مراد یہ ہوگا کہ وہ عورت پہلے حائضہ اور مطلقہ نہیں تھی بلکہ اب ہوگئی اور کسی وقت ختم ہو جائے گی اور صفت مشبہ میں لازمی اوردائمی صفت ہوتی ہے جیسے زیدٌ حسنٌ وکریمٌ مراداس سے یہ ہوگا کہ زید میں صفت

حسن اور صفت کرم شروع سے پائی گئی یعنی اس میں یہ صفت دائمی اور پائیداری ہے اس میں صفت حسن یا کرم ابھی پیدا نہیں ہوئی بلکہ استمراری ہے اسی طرح اسم فاعل کے صیغے قیاسی ہیں اور صفت مشبہ کے صیغے سماعی ہیں اسم فاعل حال یا استقبال سے مشروط ہو کر عمل کرتا ہے اور صفت مشبہ مطلقاً بغیر زمانۂ حال یا استقبال کے فعل لازم کا سا عمل کرتا ہے اس لئے کہ یہ بمعنی ثبوت و دوام ہوتا ہے اور زمانہ حال یا استقبال حدوث کو مستلزم ہے۔

(روایۃ النحوص:۳، ۱۰۳، مصباح ص:۲۳۵)

لام امر اور لام تاکید میں فرق

لام امر اس لام کو کہتے ہیں جس سے وجود فعل طلب کیا جائے اور یہ لام ہمیشہ مکسور ہوتا ہے مگر جب یہ لام حروف عاطفہ واؤ، فاء اور ثم کے بعد آتا ہے تو وہ لام ساکن کردیا جاتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ وَلْتَأْتِ طائِفَةٌ فلیصلوا ثم لْیَقْضُوا اور حاضر معروف کے صیغوں کے علاوہ مضارع کے تمام صیغوں میں آتا ہے اور لام تاکید مفتوح ہوتا ہے اور اس کے معنی البتہ اور اذعان کے آتے ہیں اور یہ لام اسم اور فعل دونوں پر آتا ہے۔ جیسے لَزَیْدٌ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو اور اِنَّ رَبَّکَ لَیَحْکُمُ بَیْنَھُمْ. (بدر منیر ص:۷۰ تا ۱۱۵، ایضاح المطالب ص:۱۵۵)

فاعل و اسم فاعل میں فرق

اسم فاعل اس اسم کو کہتے ہیں جو فعل مصدر سے اس ذات کے لئے مشتق ہو جس کے ساتھ یہ فعل بطریق حدوث و تجدد قائم ہو اور فاعل وہ اسم ہے جس کے ساتھ فعل قائم ہو خواہ صادر ہو یا نہ ہو اور یہ محض ذات و تشخص پر دلالت کرتا ہے جیسے قتل زیدٌ عمرواً و مَاتَ خالدٌ

(ایضاح ص:۱۳۰ تا ۱۳۷)

صیغہ فاعلٌ وفعیلٌ میں فرق

فاعل کا صیغہ بطریق حدوث دلالت کرتا ہے اور صیغہ فاعل بروزن فعیل استمرار و مداومت پر دلالت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات فعیلٌ کے وزن پر آتی ہیں تا کہ تجدد اور حدوث نہ لازم آئے۔ (علم الصیغہ ص:۱۲)

عمر بالضم اور عمرو بالفتح میں فرق

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ عمر بالضم بغیر واؤ کے ہوتا ہے اور عمرو بالفتح واؤ کے ساتھ آتا ہے۔ (مؤلف)

ضمہ، فتحہ، کسرہ وضم، فتح، کسر میں فرق

ضمہ فتحہ کسرہ یہ تینوں جب تا کے ساتھ مستعمل ہوتے ہیں تو ان کا اطلاق معرب اور مبنی دونوں کی حرکتوں پر ہوتا ہے اور جب یہ تینوں تاء سے مجرد اور خالی ہوں تو مبنی کے ہی القاب ہوتے ہیں معرب کے نہیں جیسا کہ رفع نصب جر کا اطلاق فقط حرکات وحروف معرب ہی پر ہوتا ہے اور معرب و مبنی کی حرکات کا مخصوص القاب کے ساتھ نام رکھنا نحاۃ بصرہ کے نزدیک ہے اور نحاۃ کوفہ معرب کی حرکات کا اطلاق مبنی کی حرکات پر کرتے ہیں اور مبنی کی حرکات کا اطلاق معرب کی حرکات پر کرتے ہیں ان کے یہاں اطلاق میں کوئی تخصیص نہیں۔ والکوفیون لایفعلون بین القاب المبنی والمعرب فیستعملون القاب المبنی فی المعرب وبالعکس۔

(تحریر سنبٹ ص:۱۹۱تا۲۹، روایۃ النحو ص:۷۷، مصباح: ص۵۹تا۱۸۶)

فائدہ

محشی ہدایت النحو نحات بصرہ کے نزدیک القاب معرب و مبنی میں فرق کو واضح کرنے کے بعد کتاب المنہل کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حق اور صحیح بات یہ ہے کہ بصریین معرب میں مرفوع منصوب مجرور استعمال کرتے ہیں اور مبنی میں مضموم مفتوح مکسور کہتے ہیں اور ضم فتح کسر القاب معرب و مبنی دونوں ہیں چنانچہ مبنی میں کہتے ہیں حیث مبنی بر ضم است اور زید درحالت رفع بضم می باشد۔ (ہدایت النحو ص:۵۴)

لام جار مکسور و مفتوح میں فرق

بذاتہ لام جارہ کبھی مفتوح ہوتا ہے اور کبھی مکسور اس کی تفصیل یہ ہے کہ لام جارہ جب اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے تو وہ مکسور ہوتا ہے جیسے لِزَیْدٍ اور جب ضمیر واحد متکلم پر داخل ہوگا

تب بھی مکسور ہوگا جیسے لی اور یاء متکلم کے علاوہ اسم مضمر پر داخل ہو تو لام جار مفتوح ہوگا جیسے لَنَالَکُمْ اسی طرح اگر منادی پر یہ لام داخل ہو تو تب بھی مفتوح ہوگا جیسے یالَزَیْدٍ

(المصباح ص:۸۲، بدر منیر ص:۵۹)

لِمَ اور لَمْ میں فرق

لِمَ بالکسر اور لَمْ بالفتح دونوں میں فرق یہ ہے کہ لِمَ اصل میں لِمَا یعنی لام جارہ اور مائے نفی سے مرکب ہے اور قاعدہ ہے کہ جب ماء نفی پر حرف جارہ داخل ہو جائے تو ما کے الف کو حذف کر دیتے ہیں اور اس کے معنی کیوں کے آتے ہیں جیسے باری تعالیٰ کا فرمان لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ پارہ: ۲۸/ جس کو تم خود نہیں کرتے تو دوسروں کو کیوں کہتے ہو اور لَمْ حروف جازم میں سے ایک حرف ہے جو معنیٰ نفی کے لئے آتا ہے۔ (مؤلف)

(اعراب القرآن ص: ۲۱۵ مطبوعہ بیروت)

اِنَّ مکسورہ واَنَّ مفتوحہ میں فرق

اِنَّ مکسورہ جملہ کے معنی کو نہیں بدلتا بلکہ معنی جملہ کو مؤکد کرتا ہے جیسے اِنَّ زَیْدًا قَائِمٌ میں تاکید قیام زید ہے اور انَّ مفتوحہ اپنے مابعد اسم و خبر سے ملکر مفرد کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں اسناد تام ہوتی ہے۔ (روایۃ النحوص:۱۳۳)

محذوف و مقدر میں فرق

علامہ محمد اعلیٰ تھانوی اپنی تصنیف کشاف اصطلاحات الفنون میں لکھتے ہیں کہ محذوف ومقدر مترادف اصطلاحات ہیں اور ایک دوسرے کی جگہ مستعمل ہوتے ہیں اور ان میں بعض حضرات یہ فرق بیان کرتے ہیں کہ محذوف اس پوشیدہ کلمہ کو کہتے ہیں جس کی پوشیدگی سے لفظ میں اثر پڑتا ہو اور مقدر اس خفاء کو کہتے ہیں جس سے الفاظ میں کوئی اثر نہ پڑے۔ المقدر یستعمل فی الحذف باطلاق احدھما مکان الأخر والفرق بینہٗ وبین الحذف ان المقدر مابقی اثرہ فی اللفظ الخ اور ملا جامی فوائد ضیائیہ میں لکھتے ہیں کہ لفظ سے کسی شئی کو حذف کر دینے اور نیت میں باقی رکھنے کو مقدر کہتے ہیں۔

(کشاف اصطلاحات الفنون: ۲/ ۱۱۸۰ مطبوعہ پاکستان، فوائد ضیائیہ ص:۱۲۷)

انزال و تنزیل میں فرق

انزال کہتے ہیں ایک دم مجموعی طور پر نازل کرنے کو اور تنزیل کہتے ہیں تھوڑا تھوڑا آہستہ آہستہ وقت ضرورت اتارنے کو، قرآن کی یہ دونوں صفتیں ہیں اس کا انزال اول من اللوح الیٰ سماء الدنیا جملۃ ً تماما ہوا ہے اس لئے بعض جگہ اس کو انزال سے تعبیر کیا گیا اور پوری مدت تبلیغ و نبوت میں یعنی ۲۳ رسال میں تھوڑا تھوڑا اترتا رہا اس لئے اس کو تنزیل سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ (التعریفات ص:۶۴)

غرض و غایت میں فرق

بعض لوگوں کے نزدیک دونوں مترادف ہیں اور بعض لوگوں نے دونوں میں اتحاد ذاتی اور تغایُر اعتباری ثابت کیا ہے چنانچہ علامہ عبدالنبی احمد نگری دستور العلماء میں لکھتے ہیں کہ کسی شئی یا فعل کا مرتب ہونا فاعل کے اقدام کا باعث ہو تو اسے غرض کہتے ہیں اور جس کی وجہ سے شئی کا وجود ہو وہ غایت ہے۔ الغرض ان مایترتب علیه فعلٌ ان کان الخ. الغایة مالاجله وجود الشئی مثلاً ذہن کا خطاء لفظی سے محفوظ رہنا تحصیل علم نحو پر مرتب ہے غایت کہلائے گا اور چونکہ یہ اس کی تحصیل پر باعث و معرض ہے غرض کہلائے گا بالفاظ دیگر قلم خریدنے کے لئے بازار جانا تو غرض ہے۔ اور قلم خرید لینا یہ غایت ہے۔

(التعریفات ص:۱۵۷، دستور العلماء، مصباح ص:۲۲)

متیٰ و ایان میں فرق

ان دونوں کے باہمی فرق کو صاحب منہل و صاحب درایہ نے یوں بیان کیا ہے کہ متیٰ زمانہ ماضی و مستقبل امور عظیمہ و غیر عظیمہ دونوں میں مستعمل ہوتا ہے اور ایان صرف زمانہ مستقبل و امور عظام کیلئے آتا ہے۔ (منہل بحوالہ درایہ ص:۱۸۰، روایہ ص:۸۹، مصباح ص:۲۰۹)

انواع و اصناف و اقسام میں فرق

یہ تینوں الفاظ کثرت سے نحو کی کتابوں میں مستعمل ہوتے ہیں تینوں میں فرق یہ ہے کہ جزئیات جو کلی کے تحت ہوتے ہیں ان میں اگر تباین ذاتی ہے تو اسے انواع کہتے ہیں

اور اگر تباین عارضی ہے تو اسے اصناف کہتے ہیں اور اگر تباین ذاتی وعارضی دونوں ہیں تو اسے اقسام سے تعبیر کریں گے ان الجزئیات المندرجة تحت الکلی الخ.
(التعریفات ص:۱۷۱)

مفرد اور واحد میں فرق

دونوں میں فرق یہ ہے کہ مفرد کبھی حقیقی واقع ہوتا ہے اور کبھی اعتباری اور کبھی اس کا وقوع تمام جنسوں پر ہوتا ہے اور واحد صرف واحد حقیقی پر واقع ہوتا ہے ان المفرد قدیکون حقیقاً وقد یکون اعتبارياً. (تعریفات ص:۲۱۹)

اِنْ اور اِذْ میں فرق

ابن ابی حاتم نے السدی کے طریق پر ابو مالک سے نقل کیا ہے کہ اِنْ بکسر الف قرآن کریم میں لم یکن (نہیں تھا) معنی میں ہے اور جس مقام پر اِذْ آیا ہے اس کے معنی فقد کان (بیشک تھا) کے ہوں گے۔ (الاتقان ۱/۳۸۹)

اذا وان شرطیہ میں فرق

اِذا اِنْ شرطیہ کے خلاف یقینی۔ مظنون اور کثیر الوقوع باتوں پر خصوصیت سے داخل ہوا کرتا ہے۔ اور اِنْ بالخصوص مشکوک اور موہوم اور نادر باتوں پر آتا ہے اسی وجہ سے خداوند کریم نے فرمایا ہے اذاقمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم اور پھر ارشاد کیا ہے وان کنتم جنباً فاطھروا ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند کریم نے وضوء کے بارے میں جو بار بار اور کثیر الوقوع ہے لفظ اذا کو لایا اور غسل جنابت کے واسطے جس کا وقوع نادر ہے حرف اِنْ کو وارد کیا کیونکہ جنابت، حدث کی نسبت کم ہوا کرتی ہے اسی طرح ارشاد ہے فاذا جاء تھم الحسنة وان تصبھم سیئة یطیر اور فرمایا واذا الناس رحمةً فرحوابھا وان تصبھم سیئة بماقدمت. ان مذکورہ مثالوں میں پروردگار عالم نے نیکی کی جانب میں اذا کو لایا ہے کیونکہ بندوں پر خدا کی نعمتیں بکثرت اور یقینی ہیں اور بدی کی جانب اِنْ وارد کیا اس لئے کہ بدی کم واقع ہونے والی اور مشکوک چیز ہے۔

اشکال: دو آیتیں مذکورہ قاعدے کے خلاف ہیں پہلی آیت ولئن متم اورافان مّاتَ ہے کہ ان میں باوجود موت کے یقیناً واقع ہونے والی شئی ہونے کے اِنْ وارد کیا ہے۔ دوسری آیت واذا مس الناس ضرٌّ دعوا ربهم مينبين اليه ثم اذا الاية. ان میں دونوں طرف اذا وارد ہے پہلی آیت کے اشکال کو علامہ زمخشری نے یہ کہہ کر ختم کیا ہے کہ موت کا وقت چونکہ معلوم نہیں ہوسکتا اس لئے اس کو غیر یقینی شئی کے قائم مقام بنایا اور دوسری مثال کے اشکال کو علامہ سکاکیؒ نے یوں رفع کیا ہے کہ اس مقام میں ملامت کرنے اور خوف دلانے کے ارادے سے خداوند کریم نے اذا کو استعمال کیا تا کہ بندے ڈریں اور اس بات کو معلوم کریں کہ ان کو ضرور کچھ عذاب بھگتنا ہوگا پھر یہ تفصیل (کمی عذاب) لفظ مس سے ماخوذ ہوتی ہے اور لفظ ضُرٌّ کے نکرہ بنانے سے بھی۔ اب رہی یہ بات کہ قولہ تعالیٰ واذا انعمنا على الانسان اعرضَ. واذا مسه الشر فذودعاءٍ عريضٍ اس کی نسبت یہ جواب دیا جائیگا کہ مسہ میں جو ضمیر ہے وہ مغرور روگردانی کرنے والے کی جانب پھرتی ہے نہ کہ مطلق انسان کی طرف اور اذا کا لفظ یہاں اس امر سے آگاہ بنانے کے واسطے لایا گیا ہے کہ ایسا متکبر روگردانی کرنے والا شخص یقیناً شر میں مبتلا کیا جائیگا۔ الجوینی کہتا ہے کہ میرے خیال میں یہ بات آئی ہے کہ اذا بوجہ ظرف اور شرط مردود ہونے متقین اور مشکوک دونوں پر آسکتا ہے یعنی شرط ہونے کے لحاظ سے اسکو مشکوک پر اور ظرف ہونے کی وجہ سے مثل تمام ظروف کے متقین پر اس کا دخول موزوں ہے۔ (الاتقان: ا/ ۳۹۴ تا ۲۹۵)

دوسرا فرق

عموم کا فائدہ دینے میں بھی اذا ،اِنْ کے برعکس اور خلاف ہے ابن عصفور نحوی کہتے ہیں کہ اگر تم یہ کہو کہ اذا قام زيدٌ وقام عمرٌو تو اس سے یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ جس جس وقت زید کھڑا ہوا اسی وقت عمرو بھی کھڑا ہوا اور یہی بات صحیح ہے اور "اذا" میں اگر مشروط بہا معدوم ہو تو جزاء فی الحال واقع ہو جائیگی مگر اِنْ میں جزاء کا وقوع فی الحال اس وقت تک نہ ہوگا جب تک کہ مشروط بہا کے وجود سے مایوسی کا ثبوت نہ ہو جائے اور اذا میں اس کی جزاء ہمیشہ اس کی شرط کے عقب میں آتی ہے اور اس سے متصل ہی رہتی ہے یوں کہ نہ تو اس

پر جزاء کی تقدیم ہوتی ہے اور نہ تاخیر مگر اِنْ اس کے خلاف ہے اور اِذا اپنے مدخول کو جزم نہیں دیتا جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محض شرط ہی کے لئے نہیں آتا۔ (ایضاً)

اذنْ و اذا میں فرق

میں نے اپنے شیخ علامہ کافیجی کو قولہ تعالیٰ ولئن اطعتم بشراً مثلکم انکّم اذا لخٰسرون. کے بارے میں یہ کہتے سنا کہ ہے کہ اس مقام میں جو لفظ اذاً آیا ہے یہ معہودہ ومقررہ لفظ اذن نہیں بلکہ اذا شرطیہ ہے اور جو جملہ اس کی جانب مضاف ہوتا تھا وہ حذف کرکے اس کے عوض میں تنوین لائی گئی ہے جیسا کہ یومئذٍ میں ہے۔ میں شیخ کے اس بیان کو نہایت عمدہ خیال کرتا اور سمجھتا تھا کہ یہ باریکی انہی نے سب سے پہلے نکالی ہے مگر بعد میں مجھ کو زرکشی کی کتاب البرہان دیکھنے کا اتفاق ہوا تو میں نے دیکھا کہ علامہ موصوف نے اذاً کے دونوں مذکورہ بالا معنوں کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ دو اور بعض پچھلے زمانہ کے علماء نے اذن کے ایک تیسرے معنی اور بھی بیان کئے ہیں اور دو معنی یہ ہیں کہ اذنْ کا لفظ اذا کلمہ ظرف زمان ماضی اور اس کے بعد آنے والے ایک تحقیقی یا تقدیری جملہ سے مرکب ہے، مگر وہ جملہ تخفیف کے خیال سے حذف کردیا گیا ہے اور اس کے عوض میں "حینئذٍ" کی طرح تنوین لائی گئی۔ غرضیکہ یہ اذاً فعل مضارع کو نصب دینے والا عامل ہرگز نہیں کیونکہ اذنْ ناصبہ فعل مضارع کے ساتھ مخصوص ہے اور یہی سبب ہے کہ وہ مضارع میں عمل کرتا ہے کیونکہ عمل کرنا مخصوص عامل ہی کا کام ہے لیکن یہ اذاً مضارع پر آنے کے لئے مخصوص نہیں بلکہ فعل ماضی پر بھی آجاتا ہے جیسے اذاً لاتینٰھم .اذاً لامسکتم اور اذاً لارزقناک اور اسم پر بھی آیا کرتا ہے مثلاً اذاً لمن المقربینٌ. زرکشی کہتا ہے کہ ان معنوں کو علماء نحو نے بیان نہیں کیا ہے مگر یہ ان کے اس بیان کا قیاس ہے جو کہ انہوں نے اذْ کے بارے میں کہا ہے، "ابوحیان کی کتاب تذکرہ میں وارد ہے" اس سے علم الدین القمنی نے بیان کیا کہ قاضی تقی الدین بن زرین کی رائے تھی کہ "اذاً" ایک حذف شدہ جملہ کے عوض میں آتا ہے اور یہ کسی نحوی عالم کا قول نہیں جوینی کا قول ہے "میرے خیال میں جو شخص "انا اتیک" کہے اس کے جواب میں اذنٍ اکرمکَ رفع کے ساتھ کہنا جائز ہے یعنی اس معنی میں کہ "اذا اتیتنی

اکرمک" مگر یہاں سے اپنی جملہ فعلیہ حذف کر کے اس کے عوض میں صرف تنوین
لے آئے اور الف بوجہ دو ساکن حروف کے اکیجا جمع ہونے کے گر گیا۔ جوینی کہتا ہے اس
بارے میں علماء نحو پر یہ اعتراض صحیح نہیں ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس مثال میں فعل کے اذن
ناصبہ کے ساتھ منصوب ہونے پر اتفاق رائے کر لیا ہے کیونکہ ان کی مراد اصلی یہ ہے کہ
ایسا وہیں ہو سکتا ہے جہاں اذنْ فعل مضارع کو نصب دینے والا حرف ہو اور اگر اذا کو ظرف
زمان اور تنوین کو اس کے بعد والے جملہ کے عوض میں لائی گئی تصور کریں تو اس مذکورہ
بالا امر سے اذنْ کے بعد فعل کو رفع دیئے جانے کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ بہت سے نحویوں نے
مَنْ کے بعد کو شرطیہ مان کر جزم اور موصولہ ماننے کی حالت میں رفع بھی دیا ہے۔ مذکورہ
بالا اصحاب کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی اسی مرکز کے گرد چکر کاٹا ہے
جس کے گرد شیخ کافیجی گھومتا رہا ہے اور سب کا مقصد قریب قریب ایک ہی ہے لیکن ان
صاحبوں میں سے ایک بھی ایسے نہیں جو علم نحو کے مشہور اور مسلم الثبوت عالم ہوں یا ایسے
ہوں کہ نحوی قواعد کے بارے میں ان کا قول مستند قرار دیا جائے ہاں بعض نحوی اس طرف
ضرور گئے ہیں کہ اذنْ ناصبہ کی اصل اسم ہے اور اذنْ اکرمک کی تقدیر عبارت اذاً جئتنی
اکرمک تھی مگر جملہ (جئتنی) کو حذف کر کے اس کے معاوضہ میں تنوین لا رکھی اور اَنْ
کو مضمر کیا گیا۔ اور بعض دوسرے علماء نحو اس طرف گئے ہیں کہ اذنْ ایک مرکب لفظ ہے جو
اذا اور اَنْ سے مل کر بنا ہے اور یہ دونوں قول ابن ہشام نے کتاب المغنی میں بیان کیے ہیں۔
(ایضاً ا/۳۹۷ تا ۳۹۸)

جمہور کہتے ہیں کہ اذنْ پر نون سے تبدیل شدہ الف کے ساتھ کہا جاتا ہے اور اسی پر
قاریوں کا بھی اجماع ہے اور ایک گروہ نے جس میں سے مازنی اور مبرد بھی ہیں غیر قرآن
میں اذنْ پر صرف حرف نون کے ساتھ وقف کرنا جائز رکھا ہے یعنی لَنْ اور اَنْ کی طرح
چنانچہ اسی اختلاف وقف کی بنیاد پر اس کی کتابت میں بھی یہ اختلاف ہے کہ پہلی حالت کے
وقف کے لحاظ سے اس کو الف کے ساتھ اذاً لکھتے ہیں جیسا کہ مصحفوں میں لکھا گیا ہے
اور دوسری وقفی حالت کے اعتبار سے حرف نون کے ساتھ اذنْ لکھا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں

کہ قرآن میں اس پر وقف کرنے اور اس کی کتابت کی نسبت الف ہی کے ساتھ ہونے پر اجماع آیا ہے۔ اور اس کا الف کے ساتھ لکھا جانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اسم منون ہے اور ایسا حرف نہیں جس کے آخر میں نون آتا ہو خاص کر اس لحاظ سے کہ قرآن میں اذا ناصب فعل مضارع واقع ہی نہیں ہوا ہے لہٰذا درست اور مناسب یہی ہے کہ یہ معنیٰ اس کے لئے ثابت کئے جائیں جیسا کہ شیخ کافیجی اس جانب مائل ہوا ہے یا جیسا کہ اس کے پیشتر علماء کا قول بیان کیا گیا ہے۔ (ایضاً: ۱/۳۹۸، ۳۹۹)

حتیٰ والیٰ میں فرق

دونوں میں چند امور باہمی فرق عیاں کرتے ہیں مثلاً حتیٰ ان باتوں میں منفرد ہے کہ وہ محض اسم ظاہر کو جر دیتا ہے اور اس آخر مسبوق کو جو کئی اجزاء رکھتا ہے اور اس کا مجرور جزء اخیر کے ساتھ ملاتی ہے جیسے قولہ تعالیٰ سلامٌ هي حتیٰ مطلع الفجر اس مثال میں حتیٰ نے مطلع کو جر دیا ہے کہ جورات کے آخری حصہ فجر سے ملاتی ہے اور وہ اپنے قبل فعل کے تھوڑا تھوڑا شروع ہو چلنے کا فائدہ دیتا ہے اور اس کے مقابل میں ابتداء غایت کی ضرورت نہیں ہوتی اور اس کے بعد اَنْ مقدرہ کے باعث سے مضارع منصوب واقع ہوتا ہے اور اس حالت میں مضارع منصوب مع اَنْ مقدرہ کے دونوں مصدر مجرور کی تاویل میں ہوتے ہیں پھر اس وقت حتیٰ کے تین معانی آتے ہیں ایک یہ کہ وہ الیٰ کا مترادف ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ان نبرح عليه عاكفين حتّى يرجع الينا موسىٰ الخ. یعنی موسیٰ کے واپس آنے تک دوسرے یہ کہ حتیٰ، تعلیلہ کا مترادف ہوتا ہے مثلاً قولہ تعالیٰ ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم اور لاتنفقوا علیٰ من حتیٰ ینفضوا اسی ترادف کا محتمل قولہ تعالیٰ فقاتلوا الّتی تبغی حتی یبغی بھی ہے اور تیسرے یہ کہ وہ اشتثناء میں ''الا'' کا مترادف ہوتا ہے ابن مالک وغیرہ نے اس کی مثال میں قولہ تعالیٰ ومایعلمانِ حتی یقولا کو پیش کیا ہے۔

(ایضاً: ۱/۴۳۲ تا ۴۳۳)

حتّٰی کی لغت

حتّٰی کی حاء کو(ع)۔(عین)سے بدل کر عتّٰی پڑھنا یہ قبیلۂ ہذیل کی لغت ہے۔ اور ابن مسعودؓ نے اسے یونہی پڑھا ہے۔(ایضاً:۴۳۴)

سین وسوف میں فرق

سین حرف ہے اس کا دخول مضارع کے لئے خاص ہے جب یہ مضارع پر داخل ہوتا ہے تو اس کو خالص استقبال کے معنی میں کر دیتا ہے پھر خود بمنزلہ اس کے ایک اجزء کے ہو جاتا ہے اسی واسطے اس کو مضارع میں کوئی عمل نہیں دیا گیا بصرہ والے اس طرف گئے ہیں کہ ''سوف'' کے ساتھ آنے کے مقابلہ میں اگر فعل مضارع سین کے ساتھ وارد کیا جائے تو اس میں بہ نسبت ''سوف'' کے استقبال کی مدت زیادہ تنگ ہوتی ہے اہل اعراب (نحویین) اس کو حرف تنفیس سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے معنی توسیع ووسعت کے ہیں کیونکہ سین فعل مضارع کو ایک بے حد تنگ زمانہ یعنی حال سے دوسرے وسیع زمانہ استقبال کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔(۴۳۷)

لا اور لَنْ کے ساتھ نفی کرنے میں فرق

لن حرف نفی اور حرف نصب اور حرف استقبال ہے لا کے ساتھ نفی لانے سے اس کے ساتھ نفی کرنا زیادہ بلیغ ہے اس واسطے کہ یہ تاکید نفی کے لئے آتا ہے جیسا کہ زمخشری اور ابن الخباز نے بیان کیا ہے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اس بات سے انکار کرنے کو کٹ جہتی بتایا ہے غرضیکہ لن ''انی اُفعَلُ کی نفی کے واسطے ہے نہ کہ اَفْعَلُ کی نفی کے واسطے جیسا کہ لم اور لمّا میں ہے بعض علماء کا بیان ہے کہ اہل عرب مظنون (گمان کی گئی بات) کی نفی لَنْ کے ساتھ اور مشکوک امر کی نفی لا کے ساتھ نفی کیا کرتے ہیں اس کو زملکانی نے اپنی کتاب تبیان میں لکھا ہے اور زمخشری نے بھی یہی کہا ہے کہ لَنْ تابید (ہمیشگی) نفی کے لئے وارد ہوتا ہے جیسا کہ قولہ تعالیٰ لن یخلقوا ذُباباً اور ولَنْ تفعلوا میں ہے۔ ابن مالک کہتا ہے زمخشری کو ایسا کہنے پر اس بات نے آمادہ بنایا کہ وہ ''لَنْ ترانی'' کے بارے میں خدا کا دیدار ناممکن

ہونے کا اعتقاد رکھتا تھا مگر کسی نے زمخشری کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر لَنْ تابید نفی کا فائدہ دیا کرتا تو "لَنْ اُکلم الیومَ انسیا" میں لَنْ کا منفی الیومَ کی قید سے مقید نہ بنایا گیا ہوتا اور لَنْ نبرحَ علیه عاکفین حتیٰ یرجع الینا موسیٰ میں وقت کی قید لگانا صحیح نہ ہوتا (اور یہ کہ لَنْ یتمنوہُ ابداً میں لَنْ کے ساتھ ابداً کا وارد کرنا بے وجہ تکرار ہوتا ہے جسے دراصل ہونا نہ چاہئے۔ اور لن یَخْلُقُوا ذباباً میں تابید کا فائدہ بیرونی حالات اور گردوپیش کے قرائن کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ اور ابن عطیہ نے لنْ کے تابید نفی کا فائدہ دینے کی بابت زمخشری کی رائے سے موافقت کی ہے۔ ابن مالک قولہ تعالیٰ لَنْ ترانی کے معانی میں بیان کرتا ہے۔ "اگر ہم اس نفی کی تابید کے قائل رہیں تو یہ بات اس معنی کو شامل ہوگی کہ موسیٰ علیہ السلام کبھی خدا کے دیدار سے مشرف ہی نہ ہوں گے حتی کہ آخرت میں بھی ان کو دیدار الٰہی حاصل نہ ہوگا لیکن متواتر حدیث میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ اہل جنت خداوند کریم کے دیدار پر فائز ہوں گے اور ابن زملکانی زمخشری کے قول سے بالکل خلاف یوں لکھتے ہیں کہ لن اس شئی کی نفی کے لئے آتا ہے جو قریب ہو اور عدم امتداد نفی کا فائدہ دیتا ہے اسی واسطے اس کے ساتھ نفی کا امتداد نہیں ہوتا اور اس کا راز یہ ہے کہ الفاظ معنوں کے ہم شکل ہوا کرتے ہیں اسی واسطے "لا" جس کے آخر میں الف ہے اس میں امتداد نفی کے معنی ممکن ہیں اس لئے کہ الف کے ساتھ آواز کی کشش ممکن ہے مگر لَنْ کے آخر میں نون ہے جس کے ساتھ امتداد صوت (کشش آواز) ممکن نہیں پس ہر ایک لفظ اپنے معنی سے مطابق ہوگا اسی واسطے خداوند کریم نے جہاں مطلقاً نفی کا ارادہ نہیں کیا وہاں لَنْ کو وارد کیا ہے کہ اس سے محض ایک شئی کی دنیا میں نفی کرنا مقصود ہے چنانچہ خداوند کریم نے ارشاد فرمایا لَنْ ترانی (یعنی تم دنیا میں مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے) اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "لاتدرکه الابصار" (کہ یہاں علی الاطلاق ادراک معلوم کرسکنے) کی نفی کردی گئی ہے اور ادراک رویت (دیکھنے) کے مغائر ہے یعنی معلوم کرنا امر دیگر ہے اور آنکھ سے دیکھنا دوسری چیز ہے۔ کہا گیا کہ لن دعاء کے واسطے بھی آتا ہے اور اس کی مثال قولہ تعالیٰ ربّ بما انعمت علی فلنْ اکون الایہ ہے۔ (ایضا:۱/۴۶۸ تا ۴۶۹)

عِنْدَ، لَدیٰ و لَدُنْ میں چھ فرق

ان میں باہمی چھ وجوہ پر فرق ہوتا ہے (۱) عِندَ اور لَدیٰ میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ ابتداء غایت کے محل میں اور دوسرے موقعوں پر برابر آسکتے ہیں مگر لَدُنْ صرف ابتداء غایت کے موقع پر آنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور دیگر مقامات پرنہیں آسکتا (۲) عند اور لدیٰ فضلہ (کلام کے زائد حصے) ہوتے ہیں جیسے قولہ تعالیٰ " وعندنا کتابٌ حفیظٌ اور لَدینا کتابٌ ینطقُ بالحق"، مگر لَدُن فضلہ نہیں ہوتا (۳) لدُنَ کا مجرور بمن ہونا اس سے کہیں زائد ہے کہ وہ منصوب آئے یہاں تک کہ وہ قرآن شریف میں کسی جگہ منصوب آیا ہی نہیں عندَ کا مجرور ہونا بھی زائد ہے اور لدیٰ کا جر دیا جانا ممتنع ہے (۴) عندَ اور لدیٰ معرب ہوتے ہیں اور لدن بنی ہے اکثر اہل عرب کی زبانوں میں (۵و۶) لدنُ کبھی مضاف نہیں ہوتا اور گاہے جملہ کی طرف مضاف ہوتا ہے اور عند اور لدیٰ اس کے خلاف ہیں۔" راغب کہتا ہے" لدنُ بہ نسبت عند کے خاص تر اور بلیغ تر دونوں ہے کیونکہ وہ نہایت (کنارہ) فعل کی ابتداء پر دلالت کرتا ہے اور دو وجہوں سے عندَ بہ نسبت لدنُ کے امکن (زیادہ منصرف ہونے والا) ہے ایک یہ کہ وہ لدیٰ کے خلاف اعیان (الفاظ) اور معانی دونوں کا ظرف ہوتا ہے دوم یہ کہ عند حاضر و غائب دونوں میں مستعمل ہوتا مگر لدیٰ کا استعمال صرف حاضر میں ہوتا ہے ان دونوں وجوہ کو ابن الشجریؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ (ایضاً:۱/۱۴۶ تا ۴۴۷)

امَّا اور اَوْ کے درمیان فرق

امَّا کے ساتھ جس امر کے لئے وہ آیا ہے اسی کے لحاظ سے بنائے کلام شروع ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اس کی تکرار واجب ہوئی اور حرف او کے ساتھ کلام کا آغاز یقین اور وثوق کے لحاظ سے ہوکر پھر بعد میں اس کلام پر ابہام یا کوئی دوسری بات طاری ہوتی ہے اسی واسطے اس کی تکرار نہیں کیجاتی۔ (ایضاً:۱/۴۱۰)

عطف بیان اور بدل میں فرق

بدل کو ایضاح پر دلالت کرنے کے لئے ایک ایسے اسم کے ساتھ وضع کیا گیا ہے جو کہ اسی کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور عطف بیان اس کے خلاف اس معنی پر دلالت کرنے

کے لئے وضع کیا گیا ہے جو کہ اس کے متبوع میں حاصل ہوتے ہیں اور ابن کیسان نے بدل اور عطف بیان کے مابین یہ فرق بتایا ہے کہ بدل خود ہی مقصود اصلی ہوا کرتا ہے یعنی گویا کہ بدل کو مبدل منہ کے عوض میں مقرر کر دیتے ہیں اور عطف بیان اور اس کا معطوف یہ دونوں اپنی اپنی جگہ مقصود ہوتے ہیں۔ (الاتقان:۱/۱۷۷)

عطف بیان اور نعت میں فرق

ابن مالک شرح کافیہ میں لکھتے ہیں کہ عطف بیان اپنے متبوع کی تکمیل کے بارے میں نعت کا قائم مقام بنتا ہے مگر اس میں اور نعت میں فرق اتنا ہے کہ یہ اپنے متبوع کی تکمیل صرف شرح اور تبیین کے ساتھ کیا کرتا ہے نہ کہ متبوع میں پائے جانے والے کسی معنی یا سببیہ پر دال ہو کر اپنی دلالت کی تقویت میں تاکید کا قائم مقام ہوتا ہے مگر اس سے اس قدر فرق بھی رکھتا ہے کہ یہ مجاز کا توہم رفع نہیں کرتا اور استقلال کی صلاحیت رکھنے میں بدل کا قائم مقام ہوتا ہے لیکن اس سے یہ امتیازی فرق پاتا ہے کہ اس سے اطراح کی نیت نہیں ہوا کرتی۔ عطف بیان کی مثالیں یہ ہیں۔ ''فیه آیاتٌ بیناتٌ مقامُ ابراهیمَ'' اور من شجرةٍ مبارکةٍ زیتونةٍ. (الاتقان:۲/۱۸۷)

غلط اور غلت میں فرق

غلت بالتاء المثناة لامثلثه. ابن الاعرابی اور اصمعی کہتے ہیں کہ غلط اور غلت ایک ہی معنی میں ہیں ابو عمرو کہتے ہیں کہ حساب میں غلطی کو غلت اور گفتگو و بات میں غلطی کو غلطی۔

(الکنز المدفون:۳۳۰)

اصطلاحات ضروریہ

چند اصطلاحی الفاظ جن کا جاننا نہایت ضروری اور فہم دراست کے لئے معین ہونے کے باعث درج کئے جاتے ہیں تا کہ افہام و تفہیم میں طلباء کے لئے دشواری نہ ہو۔

مقسم

مفعل کے وزن پر اسم ظرف کا صیغہ ہے مقسم وہ شئ ہے جس کو تقسیم کیا جائے

قسم

قسم وہ شئ ہے جو کسی کے تحت میں مندرج ہو اور اس سے خاص کر لیا گیا ہو۔

قسیم

قسیم وہ شئ ہے جو کسی شئ کے مقابل ہو اور وہ مقابل مع شئ مذکور کسی دوسری شئ عام کے تحت میں ہو جیسے اسم کہ یہ کلمہ سے خاص ہے اور کلمہ کے تحت شامل ہے لہٰذا اسم کلمہ کی قسم ہے اور کلمہ اس کا مقسم اور چونکہ اسم کے مقابل فعل اور حرف ہیں اور یہ دونوں امر عام یعنی کلمہ کے نیچے مندرج ہیں لہٰذا اسم فعل و حرف کے اعتبار سے قسیم ہے۔ قسم الشئی مایکون مندرجاً تحتهٗ واخص منه کالاسم الخ. (التعریفات ص: ۱۷۱، مصباح ص ۳۷ تا ۲۸)

عہد ذہنی

عہد ذہنی وہ الف لام ہے جس کا ذکر سابق اور ماقبل میں نہ ہوا ہو یعنی خارج میں کوئی فرد معین نہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول فَأَ خافُ ان یاکلهُ الذئب الخ. پارہ: ۱۲/ میں ڈرتا ہوں کہ اس کو بھیڑیا کھالیں یہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے لخت جگر گوشۂ دل حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں اس وقت فرمایا تھا جب کہ ان کے بھائی کھیلنے کے حیلہ سے اپنے ہمراہ لیجارہے تھے تو اس آیت میں ذئب بھیڑیا سے خارج میں کوئی فرد معین مراد نہیں ہے اور نہ ہی اس سے پہلے ذئب سے متعلق کوئی تذکرہ آیا ہے۔

(التعریفات ص: ۱۵۵ مطبوعہ دیوبند)

عہد خارجی

وہ الف لام ہے جس کا سابق اور ماقبل میں تذکرہ آیا ہو یعنی خارج میں معین افراد ہوں جیسے قولہ تعالیٰ فعصیٰ فرعونُ الرسولَ الایہ پ ۲۹ ریعنی فرعون نے معین رسول حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی کی اس الف لام کے ذریعہ رسول کی تعیین ہوئی کیونکہ سابقہ آیت ۔اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلیٰ فِرْعُوْن رسولاً میں ذکر آچکا ہے اور یہ طے شدہ ہے کہ فرعون کے پاس حضرت موسیٰ ایمان کی دعوت لیکر حاضر ہوئے تھے۔(ایضاً)

معجمہ

نقطہ والے حروف والفاظ کو کہتے ہیں اگر نیچے دو نقطے ہوں گے تو مثناۃ تحتانیہ سے تعبیر کیا جائیگا اور اوپر کے دو نقطوں کو فوقانیہ سے تعبیر کیا جائیگا اور تین نقطے والے حروف کو مثلث کہیں گے۔(لسان العرب:۹/۴۹،تاج العروس:۱۷/۴۶۵،لغات کشوری ص:۴۷۹)

مہملہ

مصطلحین بغیر نقطہ والے حروف کو بتلانے کے لئے مہملہ سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً اعمش کے متعلق کہیں گے بفتح الھمزہ وسکون عین المھملہ ،وقس علیٰ ہذا۔

(لغات کشوری ص:۵۱۷،کشاف اصطلاحات الفنون:۲/۱۵۲۴)

تداخل

تداخل صرف کی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں جس کا فعل ماضی کسی اور باب سے ہو اور فعل مضارع دوسرے باب سے ہو یعنی دونوں کا باب الگ الگ ہو جیسے باب حَسِبَ یَحَسِبُ کو صرفیوں نے تداخل کے باب سے مانا ہے کیونکہ اس کا ماضی کسی باب سے اور مضارع دوسرے باب سے ہے۔ثاقبؔ

تعریفاتِ غریبہ

تعریف کی تعریف

تعریف وہ شئی ہے جس کے ذریعہ کسی چیز کی حقیقت بیان کی جائے۔ مایبین بہ حقیقة الشئی. (اوراق ثاقب)

موضوع کی تعریف

کسی فن کا موضوع وہ شئی کہلاتی ہے جس شئی کے عوارض ذاتیہ سے اس فن میں بحث کی جائے جیسے علم النحو کے لئے کلمہ اور کلام ہے کیونکہ ان ہی دونوں کے احوال سے معرب اور مبنی کے متعلق بحث کی جاتی ہے اور علم طب کے لئے انسان کا بدن موضوع ہے اس لئے کہ صحت وسقم بدن سے اندازہ ہوتا ہے مایبحث فیه عن عوارضه الذاتیة الخ (التعریفات ص:۲۳۲)

عوارض ذاتیہ کی تعریف

کسی شئی کو عوارض لاحق ہوں گے یا تو اس کی ذات کی وجہ سے جیسے تعجب لاحق ہوتا ہے، ذاتِ انسان کی وجہ سے یا عوارض لاحق ہوں گے اس کی جزو کی وجہ سے جیسے حرکت بالارادہ انسان کو لاحق ہوتا ہے حیوان ہونے کے واسطے سے یا عوارض لاحق ہوں گے امر خارج مساوی کی وجہ سے جیسے ضحک انسان کو تعجب کے واسطہ سے لاحق ہوتا ہے العوارض الذاتیة هی التی تلحق الشئی لما هو هو کاالتعجب الخ. (التعریفات ص:۱۵۵)

علم کی تعریف

علم ایسے نام کو کہتے ہیں جس میں اَب یا اِبن نہ ہو اور ذات معین وتشخص پر دلالت کرتا ہو جیسے خالد وغیرہ۔ (کشاف اصطلاحات الفنون:۱۰۵۱/۲)

لقب کی تعریف

علم کے بعد انسان کا ایسے لفظ سے نام رکھنا جس میں مدح یا ذم کا معنی پایا جاتا ہو جیسے جمال الدین وغیرہ مایسمّی به الانسان بعد اسمه العلم من لفظ یدل علی المدح او الذم لمعنی فیه. (التعریفات ص:۱۸۹، مرقاۃ:۱۰۴/۹، مشکوٰۃ نصف ص:۴۰۷)

کنیت کی تعریف

اگر علم کے شروع میں لفظ اب یا ام یا ابن یا بنت ہو تو اس نام کو کنیت کہتے ہیں جیسے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور علامہ ابن حاجب ام حبیبہ وغیرہ چنانچہ علامہ میر سید شریف جرجانی اپنی عمدہ تصنیف کتاب التعریفات میں رقم طراز ہیں الکنیة ماصدّر بأبٍ او امٍ او ابنٍ او بنتٍ. (التعریفات ص:۱۸۳، مرقاۃ:۹/۱۰۴، مشکوٰۃ نصف:۴۰۷)

صیغہ کی تعریف

حروف وحرکات کوایک خاص طریقے سے ترتیب دیکر جو شکل بنتی ہے اس کو صیغہ کہتے ہیں جیسے نَفَسَ میں، ترتیب خاص از حروف وحرکات راصیغہ گویند۔

(میزان الصرف جدید ص:۵، کشاف اصطلاحات الفنون:۱/۸۳۵)

نون وقایہ کی تعریف

وقایہ کے معنی لغت میں محفوظ رکھنے اور بچانے کے آتے ہیں یہ نون چونکہ یائے متکلم کے ماقبل حرف کو کسرہ دینے کے بجائے خود یہ نون مکسور ہوتا ہے کیونکہ ایک طرف تو یاء متکلم اپنے ماقبل کسرہ چاہتی ہے اور دوسری طرف فعل ماضی کا آخری حرف مبنی بر فتح ہونے کی وجہ سے مکسور نہیں ہوسکتا اس لئے ایسی صورت میں دونوں کے مابین ایک الف نون لاتے ہیں جو فعل ماضی کو مکسور ہونے سے بچالیتا ہے اور علیٰ حالہ مبنی بر فتح پر برقرار رکھتا ہے اس نون کو نون وقایہ کہتے ہیں، وایں نون را نون واقایہ ازاں گویند کہ آخر فعل را از کسرہ کہ بسبب یائے متکلم الخ۔ (علم الصیغہ ص:۸۵، المصباح ص:۳۲، شرح مأۃ ص:۱۸، شرح رضی:۲/۲۱)

نون اعرابی کی تعریف

نون اعرابی اس نون کو کہتے ہیں جو رفع کے بدلے میں لایا جائے یعنی یہ نون فعل مضارع کے مرفوع ہونے کی علامت ہے اور یہ نون فعل مضارع کے سات صیغوں میں آتا ہے، چار تثنیہ دو جمع مذکر غائب وحاضر اور ایک واحد مؤنث حاضر نون اعرابی نوینکہ بعوض رفع آوردہ شود الخ۔ (میزان جدید ص:۱۳تا۱۴)

نون تاکید کی تعریف

نون تاکید وہ نون ہے جو کلام میں مضبوطی اور پائیداری پیدا کرنے کے لئے مضارع کے آخر میں آتا ہے۔ جیسے لَیَفْعَلَنَّ، آں نونیکہ برائے قوی کردن سخن در آخر مضارع الخ۔
(ایضاً ص: ۳۴، درایۃ النحو ص: ۲۷۷)

نون ضمیر کی تعریف

فعل مضارع کے جمع مؤنث غائب و جمع مؤنث حاضر کے آخر میں جو نون ہوتا ہے اسے نون ضمیر کہتے ہیں یہ نون ہر حالت میں باقی رہتا ہے نون اعرابی کی طرح حذف نہیں کیا جاتا۔ (مقدمہ میزان ص: ۳ مطبوعہ امدادیہ)

نون قطنی کی تعریف و تفصیل

جو تنوین بغیر الف کے لکھی جاتی ہے اور اس کے بعد جہاں کہیں ایک الف زائد ہو جو حقیقت میں ہمزہ بصورت الف لکھی جاتی ہے جس کو ہمزہ وصل کہتے ہیں اگر الف کے بعد جزم یا تشدید والا حرف آجائے تو وہاں تنوین پر حرکت دیتے ہیں جو امام عاصم کے نزدیک کسرہ ہوتی ہے یعنی نون ساکن جو دو فتحوں یا دو ضموں یا دو کسروں کی صورت میں لکھا گیا ہے اسے نون قطنی کہتے ہیں اور اس کو آگے کے حرف سے جس پر جزم یا تشدید ہے ملا کر پڑھا جائے گا متاخرین ناواقف لوگوں کے لئے ہمزہ وصل کے نیچے ایک چھوٹا سا نون لکھدیتے ہیں اگر یہ نون نہ بھی لکھا ہو تو بموجب قاعدہ کے نون قطنی پڑھنا چاہئے اور حرف منون اسی حرکت سے پڑھا جائے گا جس حرکت سے منون ہے یعنی دو زبر ہیں تو ایک زبر، دو زیر ہیں تو ایک زیر، دو پیش ہیں تو ایک پیش پڑھا جائے گا مثلاً مکسور منون کی صورت میں کَرَمَادِ اشْتَدَّتْ کو کَرَمَادِ نِاشتدّت پارہ: ۱۳/ مُبِیْنِ اُقْتُلُوْا کو مُبِیْنِ نِقْتُلُوْا پارہ ۱۲/ اور مضموم منون اَمْوَالٌ اقترفتموھا کو اموال نِاقترفتموھا پارہ ۱۰/ اور قل ھو اللّٰہ اَحَدُنِ اللّٰہُ الصمد پارہ: ۳۰/۔ (عذار القرآن ص: ۱۲۳، مطبوعہ لاہور)

ظرف مستقر کی تعریف

جس کا عامل لفظوں میں مذکور نہ ہو بلکہ مقدر ہو تو اس کو ظرف مستقر کہتے ہیں جیسے زید فی الدار اس مثال میں زید کا عامل حَصَلَ مقدر ہے۔ (التعریفات ص: ۱۴۰)

ظرف لغو کی تعریف

ظرف وہ ہے جس کا عامل لفظوں میں مذکور ہو جیسے زیدٌ حَصَلَ فی الدَّارِ اس میں زیدٌ مرفوع کا عامل حَصَلَ لفظاً موجود ہے۔ (التعریفات ص:۱۳۹)

ماء کافہ کی تعریف

کفَّ یکُفُّ سے کافہ بتشدید فاء اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی روکنے والا کیونکہ یہ ما اِنَّ وغیرہ کو نصب کے عمل سے روک دیتا ہے اور اسم پر لزوم داخلہ کو ختم کر دیتا ہے چنانچہ ماء کافہ کی وجہ سے اِنَّ فعل پر بھی داخل ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ پارہ ۲ ر وَاَنَّمَا اِلٰهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ پارہ ۱۶ ر۔ (روایہ ص:۱۳۳، مصباح ص:۲۹۰، کافیہ ص:۱۱۶)

کلام موجب کی تعریف

کلام موجب اس کو کہتے ہیں جس میں نفی نہی استفہام نہ ہو جیسے جاء نی القوم الاّ زیداً (متوسط بحوالہ کافیہ ص:۴۵)

مستثنیٰ مفرغ کی تعریف

باب تفعیل مصدر سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی خالی کیا ہوا اس سے مراد وہ مستثنیٰ ہے جو کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو جیسے ماجاء نی الازیدٌ. ھو الذی ترک منہُ المستثنیٰ منہُ الخ. (کتاب التعریفات ص:۲۰۹، المصباح ص:۱۶۰)

بین بین قریب کی تعریف

ہمزہ کو اپنے مخرج اور حرکت کے موافق حرف علت کے درمیان پڑھنا یعنی آواز میں دونوں حرف ہمزہ اور حرف علت کی آواز کا شائبہ ہو جیسے سَأَلَ سَهِمَ لَؤُمَ، سَأَلَ کے ہمزہ کو ہمزہ اور الف کے درمیان پڑھنا اور سَهِمَ کے ہمزہ کو ہمزہ اور یاء کے درمیان پڑھنا اور لَؤُمَ کے ہمزہ کو ہمزہ اور واؤ کے درمیان پڑھنا یہ بین بین قریب ہے۔

(کتاب التعریفات ص:۴۴، نغزک ص:۲۲، علم الصیغہ ص:۳۲)

بین بین بعید کی تعریف

اورہمزہ کواپنے مخرج اور ماقبل کی حرکت کے موافق حرف علت کے مخرج کے درمیان پڑھنا بین بین بعید ہے جیسے مثال مذکور میں سئم کے ہمزہ اورالف کے درمیان پڑھنااور لؤم کے ہمزہ کوہمزہ اورالف کے درمیان پڑھنااور سأل میں دونوں بین بین کی صورت میں ایک ہی طرح پڑھاجائے گا کیونکہ اس پردونوں تعریف صادق آرہی ہیں اس لئے کہ خود ہمزہ مفتوح اور ماقبل بھی مفتوح البتہ اس کی تیسری منفرد مثال سُئِلَ ہے اس کے ہمزہ کوہمزہ اور واؤ کے درمیان پڑھنا یہ بین بین بعید ہے۔ (حوالہ بالا)

الحاق کی تعریف

کسی مثال کوکسی ہم وزن مثال پر بڑھادینا تا کہ اس کا حکم ملحق بہ کا سا ہو جائے جیسے جلْبَبَهٗ کوباب دَحْرَجَهٗ کے وزن پرالحاق جعل مثال علیٰ مثالٍ ازید لیعامل الخ.

(کتاب التعریفات ص:۳۰، کشاف ۱۳۰۲/۲)

ہمزۂ اصلیہ کی تعریف

جوہمزہ فاءیاعین یالام کلمہ کی جگہ واقع ہواس کوہمزہ اصلیہ کہتے ہیں جیسے اَمَرَ، سَأَلَ، بَدَأَ

(میزان الصرف جدید ص:۴۰)

ہمزۂ زائدہ کی تعریف

جوہمزہ فاءیاعین یالام کلمہ کی جگہ نہ ہوبلکہ ان تینوں مقامات سے ہٹ کر ہو۔

(کتاب التعریفات ص:۳۰)

ہمزۂ وصلیہ کی تعریف

ہمزہ زائدہ متحرکہ جوابتداء بالسکون سے بچنے کے لئے شروع کلمہ میں لایا گیا ہو اور درمیان میں آنے کی وجہ سے گرجائے جیسے اُنْصُرْ

(حوالہ بالا)

ہمزہ قطعیہ کی تعریف

ہمزۂ زائدہ متحرکہ جو اضافہ معنی کے لئے شروع کلمہ میں لایا گیا ہو جیسے اَنْصُرُ اور ہمزہ باب افعال اور یہ ہمزہ درمیان میں آنے کی وجہ سے نہیں گرتا ہے سوائے مضارع کے۔
(کتاب التعریفات ص:۳۰)

الف فاصل کی تعریف

وہ الف جو نون ضمیر اور نون ثقیلہ کے درمیان فرق وجدا کرنے کے واسطے فقط صیغہ جمع مؤنث غائب وحاضر میں آتا ہے تاکہ پے در پے تین نونوں کا اجتماع لازم نہ آئے جو کہ قبیح ہے۔ (ایضاح ص:۳۶)

صرف کبیر کی تعریف

ایک مصدر سے ایک فعل یا ایک اسم مشتق کے تمام صیغوں کے مجموعہ کو صرف کبیر کہتے ہیں جیسے فعل فعلا فعلوا فعلت الخ. (میزان جدید ص:۹)

صرف صغیر کی تعریف

ایک مصدر سے اسماء وافعال کے بعض صیغوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں جیسے نَصَرَ یَنْصُرُ نَصْراً فھو نَاصِرٌ الخ. (ایضاً)

مشابہت کی تعریف

کسی دو شئی کا ایسے وصف میں شریک ہونا جو کسی ایک کے لئے لازم اور مشہور ہو جیسے بہادر آدمی کی مشابہت شیر سے شجاعت میں کیونکہ یہ صفتِ شجاعت دونوں کے لئے لزوم اور مشہور ہے فالمشابھۃ عبارۃ عن الخ. (تحریر سنبٹ ص:۱۹۰)

مناسبت کی تعریف

کسی دو شئی کا ایسے وصف میں مشترک ہونا جو دونوں کے لئے لازم ہو خواہ اس صفت کے ساتھ مشہور ہو یا نہ ہو جیسے شجاعت اور نجار۔ (ایضاً)

مجانست کی تعریف

کسی دو شئی کا جنس میں مشترک ہونے کو مجانست کہتے ہیں جیسے صفت حیوانیت میں انسان کا جنس فرس گھوڑے میں شریک ہونا جب کہ دونوں الگ جنس سے متعلق ہیں مگر چونکہ دونوں وصف حیوانیت میں شریک ہیں۔ (ایضاً)

مماثلت کی تعریف

کسی دو شئی کا نوع میں مشترک ہونا یہ مماثلت کہلاتا ہے جیسے زید اور عمر کی شرکت نوع انسانیت میں۔ (تحریر سنبٹ ص:۱۹۱)

مشاکلت کی تعریف

مشاکلت کہلاتا ہے دو شئی کا صورت میں مشترک ہونا جیسے ایک خاص ہئیت میں شیر کی تصویر دیوار پر نقش ہونا والمشاکلت عبارةٌ عن اشتراک الشیئین فی صورت کمشارکة الاسد المنقوش الخ. (حوالہ بالا)

ابدال کی تعریف

ثقل کو دور کرنے کے لئے ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف کے رکھنے کا نام ابدال ہے یہ کلام عرب میں کثیر الوقوع ہے جیسے مَدَحَ میں مَدَهَ جَدٌّ کو جَدَ، فَاضَ کو فَاظَ اور صَراط کو سراطٌ وغیرہ (کشاف:۱/۱۳۵، الطریف ص:۱۸، التعریفات ص:۳)

ادغام کی تعریف

اس کے معنی لغت میں کسی چیز کو کسی چیز میں داخل کرنے کے آتے ہیں چنانچہ اہل عرب بولتے ہیں" اَدْغَمْتُ الثِّیَابَ فِیْ الوِعَاءِ" جب کسی تھیلے میں کپڑے کو رکھتے ہیں اور اصطلاح میں کہتے ہیں اول حرف کو ساکن کرکے دوسرے میں چپکا دینا داخل کردینا جیسے ذَبَّ، مَدَّ وغیرہ۔ (التعریفات ص:۱۰، کشاف:۱/۵۰۱)

قلب کی تعریف

صاحب الطریف ابو منصور ثعالبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اہل عرب کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کلمہ میں تقدیم وتاخیر الٹ پھیر کرتے ہیں اسی کو اصطلاح میں قلب مکانی کہا جاتا ہے جیسے جَذَبَ کو جَبَذَ اور ضَبٌّ کو بَضٌّ ،بَکَّلَ کو لَبَکَ استعمال کرتے ہیں مِنْ سُنَنِ العربِ القلب فی الکلمة. (الطریف ص:۱۸، کشاف:۲/۱۱۷)

اسم مرہ کی تعریف

اسم مرہ وہ مصدر ہے جو ایک مرتبہ کسی فعل کے وقوع کو ظاہر کرے اور عموماً اسم مرہ کا وزن فَعْلَةٌ کے وزن پر آتا ہے جیسے ضَرَبْتُ ضَرْبَةً میں نے ایک مرتبہ مار اور دوسرے ابواب سے جس باب کا اسم مرہ بنایا جائے تو اسی باب کے مصدر کے وزن پر تاء کی زیادتی کردیتے ہیں جیسے التفت التفاتة انطلقت انطلاقةً وغیرہ۔ (علم الصیغہ ص:۱۵ مع اضافہ)

اسم نوع کی تعریف

اسم نوع وہ مصدر ہے جو فعل کی ہیئت اور نوعیت کو بتلائے جیسے صبغةً ایک قسم کا رنگ اسم نوع کا وزن ثلاثی مجرد سے فِعْلَةٌ کے وزن پر آتا ہے جیسے جَلَسْتُ جِلْسَةَ القارِئ ومشیٔ مِشْیَةَ المحتال. (ایضاً)

مصدر میمی کی تعریف

وہ مصدر ہے جس کے شروع میں میم ہو اور یہ عموماً ثلاثی مجرد سے مَفْعَلُ کے وزن پر آتا ہے جیسے مَنْظرُ مَضْرَبُ مَرْمی مگر اس قاعدہ سے سات الفاظ (۱) مجئی (۲) مرجع (۳) مسیر (۴) مصیر (۵) مشیب (۶) مِرفق (۷) مقتل، مستثنٰی ہیں اور مثال وادی سے مَفْعِلُ کے وزن پر خواہ مضارع کا عین کلمہ مسکور ہو یا مفتوح جیسے موردُ مَوْعِدُ مَوْجِلُ اور غیر ثلاثی مجرد سے اسم مفعول کے وزن پر جیسے مُضْطَبَرُ مُزْدَحَمُ وغیرہ۔ (الطریف ص:۱۳)

فاعل عددی کی تعریف

فاعل کا وہ صیغہ جو اعداد میں مرتبہ اور درجہ کے واسطے آتا ہے جیسے خامِسٌ بمعنی

پانچواں اور عاشِرٌ بمعنی دسواں مگر مرکبات میں جزء اول کو فاعلٌ کے وزن پرلاتے ہیں اورجزء ثانی کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں جیسے حادِیْ عَشَرَ ثانی عشر اورعقود میں عدد اورمرتبہ دونوں کے لئے آتا ہے جیسے عشرون بیس اور بیسواں بھی۔ (ایضاً ص:۱۶)

فاعل نسبتی کی تعریف

فاعلٌ کا وہ وزن جو نسبت بیان کرنے کیلئے آتا ہے اس کو فاعل نسبتی اورفاعل ذی کذا بھی کہتے ہیں جیسے تَامِرٌ وَلاَ بِنٌ کھجور والا، دودھ والا اوراسی معنی میں تمّار اور لبّان بھی ہیں۔ (ایضاً)

اسم جمع کی تعریف

اسم جمع وہ ہے جس سے جمع کے معنی ظاہر ہوں اوراس مادہ سے اس کا مفرد نہ ہو جیسے رھطٌ، خیلٌ، غنمٌ وغیرہ

شبہ جمع کی تعریف

شبہ جمع وہ ہے جو جمع کے معنی کو ظاہر کرے اورواحد وجمع میں تا یا یاء نسبتی کیوجہ سے فرق ہو جیسے تمر وتمرة، سحاب وسحابةٌ اور رومی ومجوسی وغیرہ مگر تاء سے امتیاز غیر ذوی العقول اوریاء نسبتی سے امتیاز ذوی العقول کے لئے ہے۔

جمع الجمع کی تعریف

یعنی جمع کی جمع جیسے اَسَاوِرُ، اَسوِرَةٌ جمع قلت کی جمع ہے اوراسورةٌ سوارٌ بمعنی کنگن کی جمع ہے اوراقاویل اقوال کی جمع ہے اوراقوال قول کی جمع ہے۔

جمع منتہی الجموع کی تعریف

وہ جمع ہے جس پر جمع تکسیر منتہیٰ ہوگئی ہو اس کے بعد کوئی دوسری جمع نہ آئے جیسے اَسَارِیْرُ، اَبَابِیْبُ وغیرہ اورالف جمع کے بعد ایک حرف ہوتو وہ مشدد ہوگا جیسے دوابّ اوراگر دو حرف ہوں تو آخر سے ماقبل والا حرف مکسور ہوگا جیسے اَقَاوِمُ اوراگر تین حرف ہوں تو بیچ والا حرف ساکن ہوگا جیسے مَصَابِیْحُ۔

جمع من غیر لفظہ کی تعریف

جس واحد کی جمع دوسرے لفظ سے ہو اس لفظ سے نہ ہو تو اس جمع کو اصطلاح میں جمع من غیر لفظہ کہتے ہیں جیسے اُولٰئِکَ ذَالِکَ کی جمع ہے اسی طرح نساءٌ اِمْرَاَۃٌ کی جمع ہے غَنَمٌ شَاۃٌ کی جمع ہے۔ (الطریف ص:۹)

جمع اعتباری کی تعریف

جمع اعتباری اس جمع کو کہتے ہیں کہ جس کے واحد اور جمع میں کوئی فرق نہ ہو محض اعتبار کر لیا گیا ہو جیسے فُلُکٌ قرآن مجید میں واحد اور جمع دونوں استعمال ہوا ہے جیسے فِی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ پارہ:۲۶/ والْفُلُکِ الَّتِی تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ پارہ:۲ اسی طرح عَدُوٌّ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ الخ پارہ:۱۹ وقال تعالیٰ وَاِنْ کَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٌّ لَّکُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ پارہ:۵ (ایضاً ص:۱۰)

افعال عامہ کی تعریف

وہ افعال جو عموماً جار مجرور کے متعلق ہوتے ہیں..........

افعال عموم نزد ارباب عقول
کون[۱] است ثبوت[۲] است وجود[۳] است وحصول[۴]

اشتقاقِ صغیر کی تعریف

اشتقاق صغیر یہ ہے کہ دو لفظوں کا حروف اور ترتیب میں تناسب ہو جیسے الضَّرْبُ مصدر سے ضَرَبَ۔ (التعریفات ص:۲۳)

اشتقاقِ کبیر کی تعریف

اشتقاق کبیر یہ ہے کہ دو لفظوں کے درمیان لفظاً اور معناً تناسب ہو ترتیب میں نہ ہو جیسے الجذب سے جبذ. (ایضاً)

افعال متصرفہ کی تعریف

افعال متصرفہ وہ افعال ہیں جن سے ماضی اور مضارع وامر کے صیغے مشتق ہوتے ہوں جیسے کتب یکتیب اُکْتُب اور افعال غیر متصرفہ جن سے یہ فائدے نہ ہوں جیسے عسی بمعنی قَرُبَ وغیرہ۔ (میزان جدید ص:۵۲)

مطرد کی تعریف

مطرد اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی آگے پیچھے آنا اور اصطلاح میں ثلاثی مجرد کے مشہور ابواب خمسہ نصر ضرب سمع فتح کرم کو کہتے ہیں۔ (ایضا ص:۱۵)

شاذ کی تعریف

ثلاثی مجرد کے وہ ابواب جو غیر مشہور اور قلیل الاستعمال ہیں جیسے باب حَسِبَ، فَضِلَ باب کَادَ۔ (ایضاً)

اضافتِ مقلوبی کی تعریف

وہ ترکیب اضافی ہے جس میں مضاف الیہ پہلے اور مضاف بعد میں ہو جیسے پندنامہ، پیغمبر انقلاب۔ (مؤلف)

شبہ مضاف کی تعریف

مشابہ مضاف وہ ہے جو مضاف نہ ہو اور اس کے معنی دوسرے کلمہ کے ملائے بغیر تمام نہ ہوتے ہوں جیسے یَا طَالِعًا جَبَلاً (اے پہاڑ کے چڑھنے والے) میں طالعاً کے معنی بغیر جبلاً کے تمام نہیں ہوتے کیونکہ چڑھنے کے لئے کوئی جگہ ہونی چاہئے جس کا ذکر ضروری ہے اسی طرح یاخیراً من زید میں خیراً مشابہ مضاف ہے۔ (روایہ ص:۵۱)

عطف نسق کی تعریف

نسق بفتح سین یہ عرب کا قول نغر نسق سے ماخوذ ہے جس کے معنی دانت برابر کرنے کے ہیں چونکہ حروف عاطفہ کے توسط سے تابع ومتبوع اعراب میں برابر ہو جاتے ہیں اس وجہ سے عطف بالحروف کو عطف نسق کہتے ہیں یا اس وجہ سے کہ نسق کے معنی ترتیب دینا ہیں چونکہ چند مقام میں معطوف معطوف علیہ کے بعد ترتیب سے آتا ہے جیسے جاء نی زید فعمرو ثم بکر یعنی پہلے زید آیا پھر عمرو پھر بکر۔ (ہدایت النحو ص:۴۹)

افعال منسلخہ کی تعریف

افعال مقاربہ ہی کا دوسرا نام افعال منسلخہ ہے چونکہ افعال منسلخہ میں وضع اول کے مطابق زمانہ پایا جاتا تھا اگرچہ وضع ثانی میں نہیں پایا جاتا ہے۔ (شرح عبدالرزاق)

مبنی للفاعل کی تعریف

مبنی للفاعل فعل معروف کو کہتے ہیں یعنی فعل معروف جس کا فاعل ہو۔ (فوائد ضیائیہ)

مبنی للمفعول کی تعریف

مبنی للمفعول فعل مجہول کا نام ہے یعنی جو کہ مفعول کا اقتضاء کرتا ہو جیسے اهتدیٰ مصدر مبنی للمفعول ہے۔ (ایضاً)

بتاویل مفرد کی تعریف

جملہ کو مفرد کے حکم میں کرنے کو بتاویل مفرد کہتے ہیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ خبر کو مصدر بنا کر اس کو اسم کی طرف مضاف کیا جائے بَلَغَنِیْ اَنَّ زَیْدًا قَائِمٌ میں قائم خبر ہے اس کا مصدر قیام نکال کر مضاف کردیں یعنی بَلَغَنِیْ مِنْ قِیَامِ زَیْدٍ اسی طرح یَوْمَ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ میں نفع الصّٰدقین، یا جزو خبر کے مصدر کو اسم کی طرف مضاف کیا جائے جیسے بَلَغَنِیْ اَنَّ زَیْدًا اَنْ تُعَلِّمُوْهُ یُکْرِمُکَ (مجھے یہ خبر ملی ہے کہ اگر تم زید کو تعلیم دو گے تو وہ تیرا اکرام کرے گا) کو بَلَغَنِیْ اِکْرَامُ زَیْدٍ عِنْدَ تَعْلِیْمِکَ اِیَّاهُ کے معنی میں کرلیا جائے گا اور یہ تاویل مفرد ہے۔ (مصباح ص:۲۹۰)

جملہ معترضہ کی تعریف

وہ جملہ ہے جو جملہ مستقلہ کے اجزاء کے درمیان ایسے معنی کو ثابت کرے جو جملہ یا اجزاء جملہ سے تعلق رکھتا ہو اور یہ جملہ اکثر شرط و جزاء فعل فاعل مفعول یا مبتدا وخبر کے درمیان آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوْا النَّارَ الَّتِیْ الخ. پارہ:۱ر میں لَنْ تَفْعَلُوْا جملہ معترضہ ہے اس وجہ سے کہ یہ شرط و جزاء کے درمیان ہے اسی طرح زید طال عمرهٗ قائم میں طال عمرهٗ جملہ معترضہ ہے، اسی طرح اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْتَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ پارہ:۲۷۔ (التعریفات ص:۴۷، عمدۃ المرام ص:۱۲)

جملہ مستانفہ کی تعریف

وہ جملہ ہے جس سے نیا کلام شروع کیا جائے اسی کا دوسرا نام جملہ ابتدائیہ ہے جیسے قول خداوندی اُعِدَّتْ لِلْکَافِرِیْنَ پارہ: ۱/اور دوسری مثال الکلمۃ علیٰ ثلثۃ اقسام
(عمدۃ المرام ص: ۲۱)

جملہ مبینہ کی تعریف

جملہ مبینہ وہ جملہ ہے جو مجمل کلام سابق کی تفسیر وتوضیح کرے جیسے الکلمۃ ثلثۃ اقسام اسم وفعل وحرف اسی طرح کلام الٰہی اِنَّ مَثَل عِیْسیٰ عندالله کَمَثَلِ اٰدم خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ پارہ: ۳/اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح حضرت آدمؑ بغیر ماں باپ کے آب وگل سے بنے اسی طرح حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے خاک مخلوق سے وجود میں آئے لہٰذا کلام سابق مجمل تھا اس کی توضیح خلقهٗ من ترابٍ نے کی یہی جملہ مبینہ ہے اسی کا دوسرا نام جملہ تفسیریہ بھی ہے۔
(جمل ص: ۱، عمدۃ المرام ص: ۱۴)

جملہ معللہ کی تعریف

وہ ہے جو اپنے ماقبل کی علت بنے جیسے فرمان نبوی ﷺ لاَ تَصُوْمُوْا فِیْ هٰذِهِ الْاَیَّامِ فَاِنَّهَا اَیَّامُ اَکْلٍ وَشُرْبٍ وبِعَالٍ یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ مع ایام تشریق میں روزہ مت رکھو اس لئے کہ وہ کھانے پینے اور ہمبستری کا دن ہے۔ (جمل ص: ۱)

جملہ نتیجیہ کی تعریف

وہ جملہ ہے جو کلام سابق سے پیدا ہوتا ہے جیسے الجزم مختص بالافعال والخفض مختص بالاسماء فلیس بالافعال خفضٌ ولافی الاسماء جزم یعنی جزم فعل اور جر اسم کی خاصیت ہے لہٰذا فعل مجرور اور اسم مجزوم نہیں ہوگا۔ (ایضاً ص: ۲)

مرکب امتزاجی کی تعریف

مرکب امتزاجی مرکب منع صرف کا نام ہے یعنی جس کا دوسرا جز کسی حرف کو شامل نہ ہو جیسے بَعْلَبَکّ و حَضْرَمُوْت۔ (عمدۃ المرام ص: ۳)

تحقیقاتِ عجیبہ

اَللّٰھُمَّ

مذہب بصریین کے مطابق اصل میں یَااَللّٰہُ تھا حرف نداء بسبب کثرت استعمال حذف کردیا اور اس کے عوض میم مشدد بغرض تعظیم آخر میں لاحق کردی گئی میم مشدد کو اس وجہ سے لاتے ہیں کہ ھُم ضمیر غائب کے ساتھ مشتبہ نہ ہو اور آخر میں اس لئے ذکر کیا جاتا ہے کہ تیمن بذکر اللہ ابتداءً فوت نہ ہوجائے۔ (فرائد نحیبہ ص:۸، مطبوعہ ۱۳۶۵ھ)

وَمِنْ ثَمَّ

یہ لفظ مرکب ہے من جار تعلیلیہ اور ثم اسم اشارہ سے کلام عرب میں مکان حسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے اس کی تفسیر کبھی مِنْ ھُنَاکَ مَکان مجازی سے کی جاتی ہے اور کبھی اس کی تفسیر من ھنا سے مکان قریب کے لئے کی جاتی ہے۔

(فرائد نحیبہ ص:۶ مطبوعہ ۱۳۶۵ھ)

اَیْضاً

آض یئیض باب باع یبیع کا مصدر ہے افعال ناقصہ میں سے کبھی بمعنی رجع اس وقت تامہ ہوتا ہے اور کبھی بمعنی صارَ اس وقت ناقصہ ہوتا ہے ترکیب میں چند احتمال ہیں ایک یہ بتاویل مشتق حال ہے ماقبل مقدر قال کی ضمیر سے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ مفعول مطلق ہے آض فعل مقدر سے یعنی آضَ اَیْضًا، تیسرا احتمال یہ ہے کہ یہ آض فعل مقدر کی ضمیر مستتر فاعل سے حال اول قول مرجوح ہے اس کا استعمال نسبت توافق میں ہوتا ہے۔

(حوالہ بالا ص:۵ تا ۶)

ھَلُمَّ جَرًّا

یہ اسم فعل بمعنی اِئت ہے لفظ ھَلُمَّ کے متعلق نحویوں کا اختلاف ہے خلیل نحوی کے نزدیک یہ مرکب ہے ہاء تنبیہ سے جس کا الف اختصار کی وجہ سے حذف کردیا گیا اور لمَّ

مفتوح الفاء سے جو بمعنی رجع اور مقاربہ کے ہے اور بعض کے نزدیک ہاء مذکورہ اور لمّ مضموم الفاء بمعنی ضم سے مرکب ہے کیفیت ترکیب میں بعض کوفی کہتے ہیں کہ یہ لفظ اصل میں ھَلْ اور اُمَّ سے بقاعدۂ قَدْفَلَحَ تعلیل کر کے ھَلُمَّ کر لیا گیا اور بعض کوفیوں کا یہ مسلک ہے کہ ھَلُمَّ اصل میں ھَلا اُمَّ بتخفیف اللام تھا بوجہ حصول تخفیف کے ھَلاَ کا الف خلاف قیاس حذف کر دیا گیا۔(ایضاً ص:۳تا۴)

لامَحَالَةَ

بفتح المیم مصدر میمی ہے بمعنی انتقال من حالٍ اِلٰی حالٍ اور یہ لام اسم جو بسبب نکرہ مفرد ہونے کے مبنی علیٰ الفتح ہے اور خبر اس کی موجودگی میں محذوف ہوتی ہے۔(ایضاً ص ۱۸)

لابُدَّ

وَجَبَ اور لَزِمَ اور لا مفارقہ کے معنی میں آتا ہے اس کی ترکیب میں دو قول ہیں سیبویہ کے نزدیک یہ لفظ اگرچہ حرفِ نفی اور بد سے مرکب ہے مگر شدت اتصال کی وجہ سے مثل مفرد کے ہو گیا ہے جیسے حَبَّذَ لہٰذا سیبویہ اس کو مبتدا اور مابعد کو خبر قرار دیتے ہیں اور جمہور کے نزدیک لانفی جنس اور بُدَّ بسبب نکرہ مفرد ہونے کے اس کا اسم ہے اور اس کی خبر اکثر محذوف ہوتی ہے اور کبھی مذکور بھی۔(ایضاً ص:۱۷)

لَا سِیَّمَا

اس میں لانفی جنس کا ہے اور سیّ وزناً ومعناً مثلُ کے مانند ہے کہا جاتا ہے ھُمَا سیئان ای مثلان اس کی اصل سوْیٌ یا سَیْوٌ تھی تعلیل کے بعد سیٌّ ہو گیا۔اور یہ لام اسم ہے اس کا ما زائدہ یا موصولہ یا موصوفہ ہوگا اس کی خبر کے متعلق جمہور نحات محذوف موجودٌ کے قائل ہیں اور امام اخفش کے نزدیک اس کی خبر لفظ ما ہے لاسیّما کے مابعد تینوں اعراب جاری ہو سکتے ہیں اور کبھی لاسیّما کا لا لفظوں سے حذف کر دیا جاتا ہے تخفیف کی وجہ سے لیکن مقصود کے اعتبار سے باقی رہتا ہے۔(ایضاً ص:۱۰تا۱۱)

اَلْبَتَّة

بمعنی قطع بتّ یبتّ سے مصدر ہے کلام عرب میں الف لام اور بغیر الف لام دونوں طریقے سے مستعمل ہے اور یہ کسی شئی کے حتمی امور کے لئے آتا ہے البتۃ ہمزہ میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک یہ ہمزہ قطعی ہے، چنانچہ علامہ کرمانی نے بعض کتب میں اس کی تصریح بھی کی ہے مگر قیاس کے اعتبار سے یہ ہمزہ وصلی ہے قطعی نہیں اس لئے کہ لفظ البتۃ ثلاثی مجرد کا مصدر ہے اور مصادر ثلاثیہ کے ہمزات وصلی ہوا کرتے ہیں نہ کہ قطعی ترکیب میں فعل مقدر بت سے مفعول مطلق کی بناء پر منصوب ہے یعنی بت البتۃ بمعنی قطع قطعاً۔

(ص:۱۹تا۲۰)

فَصَاعِداً

اس میں فاء عاطفہ ہے معطوف علیہ اور عامل وذوالحال تینوں مقدر ہیں اور حال کی بناء پر منصوب ہوتا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے اذکر العدد نازلاً فصاعداً یا فعل مقدر سے مفعول مطلق کی بناء پر منصوب ہوتا ہے اس صورت میں فاء زائدہ اور لازمہ ہے اس لئے کہ کلام عرب میں اس کا استعمال بغیر فاء اور ثم کے نہیں ہوتا۔ (ص:۳۰)

اَصْلاً

یہ ظرف کی بناء پر منصوب ہوتا ہے اس کا الف وقف کے لئے یا تنوین کے عوض میں ہے محل نفی میں تاکید نفی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

جمیعاً

یہ حال کی بنا پر منصوب ہوتا ہے جیسے خرجنا جَمِیْعًا اَیْ حَالَ کونِہٖ مجتمعین (۳۱)

معاً

اس میں نحویوں کے دو قول ہیں جمہور کے نزدیک یہ معرب ہے اور ظرفیت کی بناء پر لازم النصب اور باعتبار اعراب کے عدم التصرف ہے یعنی سواء نصب کے کوئی اور اعراب

قبول نہیں کرتا اور سیبویہ کے نزدیک اس کی وضع حرف کی سی وضع ہونے کی وجہ سے مبنی علی السکون ہے مگر راجح قول یہی ہے کہ یہ معرب ہے۔ بعض نے اس کی حالیت کی بناء پر منصوب قرار دیا ہے معاً وجمیعاً کے حال ہونے کی صورت میں فرق یہ ہے کہ معاً میں اجتماع فی الفعل وقت واحد میں شرط ہے۔ اور جمیعاً یہ شرط نہیں، ھٰذا صرّح الشیخ الرضی فی شرحہٖ فانظُر ھُناک اِن شئت. (فرائد نجیبہ ص:۳۰ تا ۳۱)

سواءٌ

اسم مصدر ہے یہ بھی مصدر کے مثل کسی موصوف کا صفت واقع ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ اِلٰی کلمة سواء پارہ:۱/۱ اس کی ترکیب میں نحات کا اختلاف ہے صاحب مفصل کہتے ہیں کہ سواء خبر مقدم جو فعل اس کے بعد واقع ہوتا ہے وہ بتاویل اسم ہو کر مبتداء مؤخر ہوتا ہے علامہ دمامینی نے سیرافی سے ایک قول نقل کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سواءٌ کے بعد جو دو فعل مذکور ہوتے ہیں وہ یا تو استفہام غیر استفہام کے ساتھ مذکور ہوں گے تقدیر اول پر احد الفعلین کا عطف آخر پر اَوْ کے ساتھ ناجائز ہے۔ جیسے سواءٌ علیٰ اقمت او قعدت اور صورت ثانیہ میں جائز ہے اور شارح رضی کہتے ہیں کہ احد الفعلین کا عطف آخر پر علی الاطلاق جائز ہے خواہ ہمزہ مذکور ہو یا نہ ہو اَمْ کے ذریعہ عطف ہو یا اَوْ کے ذریعہ سے (ایضاً ص:۲۴)

فقط

فقط علامہ تفتازانی نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ اسماء افعال میں سے ہیں بمعنی اِنْتَہِ اکثر اس کے شروع میں فاذکر کی جاتی ہے جو کہ زائدہ ہے محض تزئین اور تحسین کی وجہ سے لائی جاتی ہے اور یہ فاء شرط محذوف پر دال ہے اور اسی شرط محذوف کیلئے اس فاء کے بعد جزاء واقع ہوتی ہے علامہ دمامینی کا قول ہے کہ یہ فاء عاطفہ ہے معطوف علیہ اس کا مقدر ہے اور ابن ہشام نے حواشی تسہیل میں ذکر کیا ہے کہ اس کا استعمال کلام عرب میں بغیر فاء کے نہیں پایا جاتا اور یہ فاء زائدہ ہے۔ (ایضاً ص:۲۱)

وَلَوْ كَانَ كَذَا

اس واوَ کے متعلق نحویوں کے مختلف اقوال ہیں بعض کے نزدیک واوَ حالیہ اور لَوْ بمعنی اِنْ وصلیہ ہے شرطیہ نہیں بلکہ معنیٔ شرط سے خالی کیا گیا ہے اسی وجہ سے یہ جزاء کی طرف محتاج نہیں ہوتا اور بعض کے نزدیک یہ واوَ عاطفہ ہے اور جملہ سابقہ دال پر جواب ہے اور بعض کے نزدیک یہ واوَ اعتراضیہ ہے۔ (ایضاح:۳۱)

بِصْرِیِّیْن

بغیر نسبت کی صورت میں بصرہ بفتح الباء پڑھا جاتا ہے مگر نسبت کے وقت باء کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں چنانچہ علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں کہ بعض بصریین کی رائے یہ ہے کہ بصرہ کی طرف نسبت کرنے میں ھاء کو ساقط کر کے باپر کسرہ وجوبی لگا کر بِصری یا بِصریین کہتے ہیں جیسے اور مقامات کی طرف نسبت کرنے میں حروف وحرکات کی تبدیلی آتی ہے رَیّ سے لازِی اور تہامہ سے تہام صاحب تاج العروس لکھتے ہیں کہ بصرہ میں چار لغات ہیں (۱) بفتح الباء وسکون الصاد (۲) بکسر الصاد وبفتح الباء (۳) بضم الباء (۴) منسوب کی صورت میں بکسر الباء۔ بصری بفتح الباء شاذ ہے انما قیل فی النسب الیھا بصری بکسر الباء فوجوب کسر الیاء فی البصری الخ.

(المعجم البلدان:۱/۵۱۱، تاج العروس:۶/۹۳ مطبوعہ بیروت)

جَلَالَیْن

رکن الدین: استاذ محترم لفظ جلالین عوامل لفظیہ سے خالی ہونے کی بناء پر حالت رفعی میں ہے لہٰذا اس کو جلالان ہونا چاہئے۔ جلالین کیا یہ سماعاً ہے؟

ثاقب: عزیزم یہ عوامل لفظیہ سے خالی نہیں ہے اور نہ ہی یہ سماعاً ہے، بلکہ یہ قیاساً ہے یہ مضاف الیہ ہونے کی بناء پر حالت جری میں ہے اس کا مضاف لفظ تفسیر مذکور ہے پوری عبارت یوں ہے تفسیر جلالین لہٰذا یہ درست ترکیب ہے۔

اِذَما اور اذا مَا

ابن ہشام نحوی نے اپنی کتاب مغنی میں اذما کا ذکر کیا ہے مگر اذاما کا کوئی ذکر نہیں کیا لیکن شیخ بہاؤالدین السبکی نے کتاب عروس الافراح میں اذا ما کا بیان حروف شرط کے ضمن میں کیا ہے۔ اِذَما قرآن کے اندر کہیں بھی نہیں آیا۔ اس کے بارے میں سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ ایک حرف ہے اور مبرد وغیرہ ائمہ فن نحو کہتے ہیں نہیں وہ ظرفیہ پر باقی ہے۔ اب رہا اذاما تو یہ قرآن میں قولہ تعالیٰ و اذا ما غضبوا. اور اذا ما اتوکَ لتحملھم میں واقع ہے اور اس نے اس بات میں کوئی اعتراض نہیں دیکھا کہ ان کو ظرفیہ پر باقی رہنے دیا جائے یا حرفیہ کی طرف پھیر دیا جائے اور محتمل ہے کہ اذما میں دونوں قول جاری کیئے جاسکیں یعنی احتمال ہوتا ہے کہ اس کے ظرفیہ پر باقی رہنے کا وثوق کیا جائے یوں کہ وہ ''اذا ما'' کے خلاف مرکب ہونے سے بہت دور پڑا ہے۔ (الاتقان: ۱/۳۹۴)

اللّٰہُ کا الف الام

اسم اللہ تعالیٰ میں جو الف لام ہے اس کی بابت مختلف اقوال آئے ہیں سیبویہ کہتے ہیں کہ یہ الف لام حذف شدہ ہمزہ کے عوض میں اس بناء پر آیا ہے کہ اللہ کی اصل أله تھی اس پر الف لام داخل کیا تو ہمزہ کی حرکت نقل کیئے کے ماقبل یعنی لام کو دی اور اور لام میں ادغام کر دیا الفارسی کا قول ہے کہ اس بات پر جو (سیبویہ) نے کہی ہے اللہ کے ہمزہ کا قطعی اور لازمی ہونا بھی دلالت کرتا ہے اور دوسرے علماء کا بیان ہے کہ یہ الف ولام تفخیم اور تعظیم کی غرض سے تعریف کو زائد کرنے والا ہے اور الٰہ کی اصل ''اولاہ'' تھی اور ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ الف زائدہ اور لازم ہے تعریف کے لئے نہیں بعض یہ کہتے ہیں الٰہ کی اصل صرف کنایہ کی ''ھا'' تھی اس پر لام ملک زیادہ کیا گیا پھر تعظیم کے لحاظ سے اس پر الف لام کا اضافہ کیا اور تو کید کے خیال سے اس کی تفخیم (پر کر کے پڑھنا) کی یوں اللہ ہو گیا۔ خلیل اور بہت سے دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ کلمہ کی نبیاد ہی اللہ ہے اور وہ اسم علم ہے جس کا اشتقاق اور جس کی اصل کچھ بھی نہیں۔

کوفیین نے بالعموم اور بعض بصرہ کے لوگوں نے بھی مع متاخرین کے گروہ کثیر کے الف لام کا ضمیر مضاف الیہ کے قائم مقام ہونا جائز رکھا ہے اور اس قاعدہ پر فانّ الجنۃ ھی الماوٰی کو بطور مثال پیش کیا ہے اور اس امر کی ممانعت کرنے والے یہاں "لہٗ" ضمیر منفصل کو مقدر بتاتے ہیں یعنی (ھی لہٗ الماوٰی) عبارت کی اصل قرار دیتے ہیں (مترجم) اور زمخشری نے اسم ظاہر مضاف کی نیابت میں بھی الف لام کا آنا جائز بتایا ہے وہ اس کی مثال وعلم آدم الاسماء کلھا کو پیش کرتے اور کہتے ہیں کہ اصل میں "اسماء المسمیاتِ" تھا۔ (ایضاً: ص ۴۰۱ تا ۴۰۲)

ثُمَّ کا واؤ اور فاء کے قائم مقام ہونا

نحویان کوفہ ثُمَّ کو فعل شرط کے بعد اس کے ساتھ قرین بتائے ہوئے فعل مضارع کو نصب دینے کے جواز میں واؤ اور فاء کا قائم مقام بناتے ہیں اور اسی اصول کے لحاظ سے حسنؒ کی قراءت "ومن یخرج من بیتہٖ مھاجراً الی اللّٰہ ثُمَّ یدرکہ الموت" یدرک کے نصب کے ساتھ روایت کی ہے۔ (ایضاً ص: ۴۳۱)

حیث کی تحقیق

حیث ظرف مکان ہے اخفش نحوی کہتے ہیں کہ یہ ظرف زمان بھی واقع ہوتا ہے اور غایات سے مشابہ کرنے کے لئے مبنی علی الضم آتا ہے کیونکہ جملوں کی طرف اضافت کرنا ایسا ہے جیسے کہ اضافت ہوئی ہی نہیں۔ اسی واسطے زجاج نے قولہ تعالیٰ "من حَیثُ لاترونھُم" کے بارے میں کہا ہے کہ حَیثُ کا مابعد اس کا صلہ ہے اور اس کی جانب مضاف کبھی نہیں یعنی یہ کہ حَیثُ اپنے بعد والے جملہ کی طرف مضاف نہیں لہٰذا وہ جملہ مابعد حیثُ کے لئے صلہ ہو گیا یعنی ایک زائد جملہ متعلقہ کے طور پر اور جو کہ اس کا جزو نہیں ہے اور فارسی نے زجاج کے بیان کا مطلب یہ سمجھا کہ وہ حَیثُ کو موصولہ قرار دیتے ہیں چنانچہ اسی باعث اس نے زجاج کی تردید کیلئے کمر باندھی حالانکہ غلطی خود اسی کی ہے۔ اہل عرب میں سے بعض قبائل حیث کو معرب رکھتے ہیں اور چند قبائل ایسے ہیں جو اسے التقاء ساکنین کے باعث کسرہ پر مبنی اور بغرض تخفیف فتحہ پر مبنی ٹھہراتے ہیں اور ان دونوں امور کا احتمال ان

لوگوں کی قرأت کرسکتی ہے جنہوں نے "مِنْ حَيْثُ لَايَعْلَمُوْنَ" کسرہ کے ساتھ اللّٰہ اَعلَم حَيْثُ يجعلُ رسالة فتحہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ مشہور بات یہ ہے کہ حیث کی تصریف نہیں ہوتی اور ایک قوم نے اخیر کی آیت میں حیثُ کا باعتبار وسعت ظروف مفعول بہ ہونا جائز رکھا ہے اور کہا ہے کہ وہ ظرف نہیں ہوسکتا اس واسطے کہ اسے ظرف رکھا جائے تو اس سے ماننا پڑے گا کہ خداوند کریم کو ایک مکان میں بہ نسبت دوسرے مکان زیادہ علم ہوتا ہے اور یہ بات صحیح نہیں بلکہ علم باری ہر جگہ یکساں اور کامل اور یہ وجہ بھی ہے کہ اس آیت کے معنی ہیں اللہ خاص اس مکان کو جانتا ہے جو وضع رسالت کا مستحق ہے نہ یہ کہ وہ صرف اس مکان میں کسی شئی کو جانتا ہے چنانچہ اس اعتبار پر حیثُ فعل محذوف کو يَعْلَمُ فعل محذوف سے نصب دیا ہے اور اس بات کی دلیل کہ حیثُ کا نصب يَعلم کے فعل محذوف سے ہوا اور خود اعلم سے نہیں ہوا یہ ہے کہ افعل التفضیل کا صیغہ بغیر اس کی تاویل عالِمٌ (صیغہ اسم فاعل) کے ساتھ کی جائے مفعول بہ کو ہر گز نصب نہیں دے سکتا اور ابو حیان کا بیان ہے کہ ظاہر امر یہ ہے کہ حیثُ کو مجازی ظرفیت پر قائم رکھا جائے اور اَعْلَمُ کو اس معنی کا متضمن مانا جائے جو کہ ظرف کی جانب متعدی ہوتا ہے اس حالت میں تقدیری عبارت یوں ہوگی اللّٰہ اَنْفَذَ علماً حیثُ يَجْعَل یعنی خدا اس موضع میں نافذ العلم ہے (اس کا علم اس پر حاوی ہے)

(الاتقان: ۴۳۵/۱)

رُوَيدَ

یہ اسم ہے اس کے ساتھ جب کبھی تکلم ہوتا ہے تو صیغۂ تصغیر ہی استعمال میں آتا ہے اور اس کے ساتھ دوسروں کو حکم دیا جاتا ہے روید لفظ رود کی تصغیر ہے جس کے معنی چھوڑنے اور مہلت دینے کے ہیں۔ (مزید تحقیق کیلئے دیکھئے، ایضاً: ۴۳۶/۱)

حاشا کے حرف جر نہ ہونے کی دلیل

یہ تنزیہ کے معنی میں اسم ہے قولہ تعالیٰ حاشاللّٰہ ماعلمْنَا علیه من سوء اور حاشا لله ماهذا بشراً میں فعل وحرف نہیں اس کی دلیل بعض قاریوں کا اس کو حاشاً للّٰہ تنوین کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ برائۃً للّٰہ کہا جاتا ہے اور ابن مسعودؓ نے معاذا للّٰہ وسبحان

اللہ کی طرح اس کو باضافت حاشا للہ پڑھا ہے پھر قراءت سبعہ میں اس پر لام جارہ کا دخول بھی اس کے اسم ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اگر یہ حرف جر ہوتا تو حرف جر پر دوسرے حرف جر کے داخل ہونے کی کیا وجہ تھی جو ایک ناجائز امر ہے اور قراء سبعہ کی قراءتوں میں اس کو تنوین دینا اس لئے ترک کر دیا گیا کہ یہ لفظاً اس حاشا کے مشابہ ہے جو کہ حرف ہے ایک قوم اس کے مبنی ہونے کے سبب سے اس اسم کو فعل بتاتی ہے اور اس کے معنی ابرأ اور تبرأت بیان کرتا ہے۔ مگر بعض لغتوں میں اس کے معرب پائے جانے کی وجہ سے یہ قول رد کر دیا گیا ہے مبرد اور ابن جنی کا قول ہے کہ یہ فعل ہے اور آیت مذکورہ میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جانب یوسف المعصیة لاجل اللہ یعنی یوسف نے خدا کے لئے گناہ کرنے سے پہلوتہی کیا مگر یہ تاویل دوسری آیت میں فٹ نہیں آتی فارسی کہتے ہیں کہ "حاشا" فعل ہے جو کہ الحشاء سے مشتق ہے جس کے معنی ناحیہ کنارہ) کے آتے ہیں اور حاشا کے معنی یہ ہوتے کہ صار فی ناحیة یعنی وہ اس چیز سے دور ہوا جس کے ساتھ اسے متہم کیا گیا تھا اور اس کام سے کنارہ کشی کی وہ اس میں آلودہ اور اس سے ملوث نہیں ہوا اور قرآن شریف میں بھی حاشا صرف استثنائیہ واقع ہوا ہے۔ (الاتقان ۱/۴۳۲)

عَنْ سے پہلے مِنْ آنے پر وہ اسم ہوتا ہے

جس وقت حرف عَنْ پر مِنْ (اس سے پہلے) داخل ہوتا ہے تو اس حالت میں عَنْ اسم ہو جاتا ہے اور ابن ہشام نحوی نے اس قبیل سے قولہ تعالیٰ ثم لآتینهم من بین ایدیهم ومن خلفهم وعن ایمانهم وشمائلهم کو گردانا ہے اور کہا ہے کہ اس حالت میں اس کی تقدیر یہ ہوگی کہ وہ عَنْ مِنْ کے مجرور پر معطوف ہے نہ کہ مِنْ اور اس کے مجرور دونوں پر

(الاتقان ۱/۴۴۲)

ایٌّ کی تحقیق

فتحہ اور تشدید کے ساتھ کئی وجوہ پر مستعمل ہے اول شرطیہ جس طرح قولہ تعالیٰ "ایهما الاجلین قَضَیْتَ فلاعدوان" اور قولہ تعالیٰ ایاما تدعوا فَلَهُ الاسماء الحسنیٰ میں ہے۔ دوم استفہامیہ جیسا کہ قولہ تعالیٰ ایُّکم زادتهُ هٰذہٖ ایمانا میں اور اس سے صرف انهی

باتوں کو دریافت کیا جاتا ہے جو کہ کسی ایسے امر میں دو باہم شریک ہونے والی چیزوں کو ایک دوسرے سے ممتاز بناتی ہیں کیونکہ وہ امر دونوں کیلئے یکساں عام ہوتا ہے قولہ تعالیٰ ایُّ الفریقین خیرٌ مقاماً (یعنی ہم یا محمد کے اصحاب) سوم موصوفہ قولہ تعالیٰ لننز عنَّ من کُلِّ شِیْعةٍ ایھم اَشَدُّ میں ہے اور اور ایُّ ان تینوں وجوہ میں اسم معرب ہوتا ہے ہاں وجہ سوم یعنی موصوفہ ہونے کی حالت میں اگر اس کا عائد ضمیر) حذف کر کے اسے مضاف کر دیا جائے تو اس وقت وہ مبنی علی الضم ہو جاتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں ہے مگر اخفش نحوی نے اس حالت میں بھی اسے معرب ہی مانا ہے اور اس اعتبار پر بعض قاریوں کی قرأت میں اس آیت کو نصب کے ساتھ روایت کیا ہے اور ضمہ کے ساتھ قرأت ہونے کی تاویل کی ہے اور حکایت کا اعتبار کیا گیا ہے اخفش کے سوا اور کسی نے اسکے متعلق فعل ہونے کی تاویل پیش کی ہے اور زمخشریؒ یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس مقام میں ایُّ مبتدا محذوف کی خبر ہے کیونکہ تقدیر کلام لننز عنَّ بعضَ کل شیعةٍ (بے شک ہم گروہ میں سے بعض کو نکالیں گے) تھی پس گویا کہ سوال کیا گیا کہ وہ بعض کون میں تو اس کے جواب میں کہا گیا ھو الذی اشد (وہی جو سب سے بڑھ کر سخت ہے) پھر اس کے بعد وہ دونوں مبتدا جو ایُّ کو دو آگے پیچھے طرف سے گھیرے ہوئے تھے حذف کر دیئے گئے اور ابن الطراوہ کا قول ہے کہ اس آیت میں لفظ ایُّ مبنی اور اضافت سے قطع شدہ واقع ہوا ہے اور یہ کہ ھم اشدُّ مبتدا اور خبر ہیں اور مبتدا "ھم" بطور ضمیر متصل کے ایُّ کے ساتھ ملا ہوا آیا ہے اور اسی کا قول ہے کہ اجماع کے لحاظ سے جس وقت ایُّ مضاف نہ ہو تو وہ معرب ہوتا ہے چہارم یہ کہ ایُّ اسم معرف باللام کی نداء سے ملنے والا کلمہ ہوتا ہے جیسے یا ایھا الناس اور یا ایھا النبی. (الاتقان: ۴۲۲/۱ و ۴۲۳)

عسیٰ فعل ماضی یا مضارع

ابن الدہان کہتے ہیں کہ عسیٰ فعل ہے جو لفظاً اور معناً دونوں طرح پر فعل ماضی ہے کیونکہ اس سے کسی زمانہ آئندہ میں حاصل ہونے والی چیز کی طمع مفہوم ہوتی ہے اور ایک گروہ کا قول ہے کہ عَسیٰ لفظ کے اعتبار سے فعل ماضی مگر معنی کے لحاظ سے فعل مستقبل ہے کیونکہ اس کے ساتھ اس طمع (خواہش) کی خبر دیجاتی ہے جس کے زمانہ آئندہ میں واقع ہونے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ (ایضاً: ۴۲۵/۱)

قرآن میں ک و مثل کو یکجا جمع کرنے کی وجہ

ابن جنی کہتے ہیں کہ "لیس کمثلہ شئی" میں کاف اس لئے زائدہ کیا گیا تاکہ نفی مثل کی تاکید ہو جائے کیونکہ حرف کی زیادتی بمنزلہ اس کے ہوتی ہے گویا جملہ کو دوبارہ دہرادیا۔ راغب کا قول ہے کہ "کاف" اور مثل کے مابین جمع کرنے کی وجہ صرف نفی کی تاکید کرنا ہے اور اس بات پر آگاہ کرنا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ نہ مثل کا اور نہ کاف کا دونوں ہی کا استعمال صحیح نہیں چانچہ لیس کے ساتھ ان دونوں امروں کی ایک ساتھ نفی کردی گئی اور ابن فورک کا قول ہے کہ "کاف" زائدہ ہرگز نہیں اور آیت کے معنی میں "لیس مثل مثلہ شئی" اور جب کہ مثل کے تماثل کی نفی کردی گئی تو فی الحقیقت خدا تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں رہا، اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام کہتے ہیں کہ "مثل" بولتے ہیں اور اس سے ذات مراد لیتے ہیں جیسے تم کہو "مثلک لایفعل ھذا" یعنی تم اس کو نہ کرو گے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔ ولم اقل مثلک اعنی بہ سواک یافرداً بلامشبہ اے یکتا جس کا کوئی مشابہ نہیں ہے میں نے مثلک سے یہ مراد لیکر نہیں کہا کہ اس سے تیرے سوا کسی اور ذات کو مانتا ہوں اور خود خداوند کریم ہی نے فرمایا ہے "فَاِنْ اٰمَنُوْا بمثل ماامنتم بہ فقد اھتدوا یعنی بالذی اٰمنتم بہ ایاہ. لان ایمانھم لامثل لہٗ" اسی چیز پر ایمان لائیں جس پر تم ایمان لائے ہو کیوں کہ ان لوگوں کا ایمان کامل نہیں ہے اس لحاظ سے آیت کی تقدیر کلام یہ ہوگی کہ لیس کذاتہٖ شئی۔ (اس کی ذات جیسی کوئی چیز نہیں) راغب کہتے ہیں کہ "اس مقام پر لفظ مثل صفت کے معنیٰ میں آیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ "لیس کصفتہ صفۃ" خدا کی صفت جیسی کوئی صفت ہی نہیں اور اس سے یہ تنبیہ مقصود تھی کہ اگر چہ خدا کی صفت ایسی بہت سی باتوں کے ساتھ کی گئی ہے جن سے انسان کی صفت بھی کی جاتی ہے مگر یہ صفتیں جو خدا کے لئے ہیں ان صفتوں کی طرح (ناقص) نہیں جو کہ انسانوں کی بابت استعمال کی جاتی ہیں۔ وللہ المثل الاعلیٰ۔

(الاتقان: ۴۵۲/۱ تا ۴۵۳)

بطور اسم ''مثل'' کے معنی میں کاف کا استعمال

حرف کاف مثل کے معنی میں اسم بھی وارد ہوا کرتا ہے اور ایسے موقع پر وہ محل اعراب میں ہوتا ہے اور اس کی طرف ضمیر لوٹائی جاتی ہے زمخشری نے قولہ تعالیٰ کھیئة الطیر فانفخ فیه'' کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس میں جو ضمیر آئی ہے اس کا مرجع ''کھیئة '' کا حرف کاف ہے یعنی اس سے مراد ہے کہ میں اس مماثل (ہمشکل) صورت میں پھونک ماردیتا ہوں تو وہ تمام دیگر چڑیوں کی طرح ہو جاتی ہے۔ (ایضا:۴۵۳/۱)

ذٰلک، ایّاک ارأیتک وغیرہ میں کاف کی حیثیت

ذٰلک۔ یعنی اسم اشارہ اور اس کی فروع یا اسی کی مانند اور الفاظ میں ''کاف'' خطاب کا حرف ہے اور اس کے لئے کوئی محل اعراب کا نہیں اور لفظ ایّاکَ میں جو کاف ہے اس کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ حرف ہے اور یہ قول بھی وارد ہوا ہے کہ نہیں وہ اسم ہے اور ایّا کا مضاف الیہ ہے اور ارأیتکَ میں جو کاف ہے اس کی بابت بھی مختلف اقوال آئے ہیں کوئی حرف کے قائل ہیں اور کسی نے کہا ہے کہ وہ اسم ہے جو ایک قول کے لحاظ سے محل رفع میں اور دوسرے قول کی بناء پر محل نصب میں واقع ہے مگر ان دونوں اقوال میں سے پہلا قول راجح تر ہے۔ (الاتقان:۴۵۳/۱تا۴۵۴)

کاَیِّنْ

ایک اسم کاف تشبیہ اور ایِّ تنوین والی سے مرکب ہے اور تعداد میں زیادتی ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ کایِّنْ مِنْ نبی قٰتَلَ معهٗ ربیون کثیر میں ہے۔ اس میں کئی لغتیں ہیں۔ (۱) کائِنٌ بروزن تابعٌ اس طرح جہاں بھی واقع ہوا ہے ابن کثیر نے اس کی قرأت کی ہے۔ (۲) کأْیٍ بروزن کعبٍ اس کے ساتھ ''وکأیٍ منْ نبی قاتلَ'' پڑھا گیا ہے اور کایِّنْ مبنی ہے اس کے لئے صدر کلام میں آنا لازم ہے جیسے ابہام کے لئے صدر کلام لازم ہوتا اور وہ تمیز کا محتاج رہتا ہے اس کی تمیز بیشتر من کے ساتھ مجرور بمن ہوتی ہے اور ابن عصفور کہتے ہیں کہ لازمی طور پر مجرور ہی آتی ہے۔ (ایضا:۴۵۶/۱)

لکنْ مخففہ

تخفیف کے ساتھ دوطرح پر آتا ہے اول لکنَّ ثقیلہ سے تخفیف ہوکر اور یہ حرف ابتداء ہے کچھ عمل نہیں کرتا بلکہ صرف استدراک کا فائدہ کرتا ہے اور عاطفہ بھی نہیں یوں کہ وہ قولہ تعالیٰ ولکنْ کانوا ھم الظالمین میں حرف عطف کے نزدیک آیا ہے اور اگر عاطفہ ہوتا تو کبھی نہ آتا اس واسطے سے کہ دو عطف کے حروف ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور دوم عاطفہ ہوتا ہے مگر جب کہ اس کے بعد کوئی مفرد آئے اور یہ لکنْ بھی استدراک ہی کیلئے آتا ہے۔ مثلاً قولہ تعالیٰ لکِنِ اللہ یشھد. لکن الرسول. لکن الذین اتقوا ربھم.

(الاتقان: ۱/۴۶۶)

لکنَّ مشددہ

بتشدید نون حرف ہے اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے استدراک کے لئے آتا ہے جس کی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ اس کے مابعد کی جانب ایک ایسا حکم منسوب ہوتا ہے جو اس کے ماقبل کے حکم سے مخالف ہو اسی واسطے ضروری ہے کہ لکنَّ کے ماقبل کوئی ایسا کلام آئے جو اس کے مابعد سے مخالف یا مناقض ہو اس کی مثال ہے قولہ تعالیٰ وما کَفَرَ سلیمان ولکِنَّ الشیاطینَ کفروا اور گاہے وہ صرف توکید کے لئے استدراک سے مجرد ہو کر آتا ہے یہ قول کتاب بسیط کے مصنف کا ہے اس نے استدراک کی تعریف یہ کی ہے کہ جس چیز کے ثبوت میں وہم واقع ہو اس کو رفع کردے جیسے "مازیدٌ شجاعاً لکنّهٗ کریمٌ" کہ شجاعت و کرم دونوں باتیں قریب قریب ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں لہٰذا ان دونوں میں سے ایک بات کی نفی کرنے سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ دوسری بات کی نفی بھی کردی گئی ہے اور توکید کی مثال "لوجاء نی اکرمتهٗ لکنّهٗ لم یجئنی" ہے کہ یہاں پر لکنَّ نے اس امر (امتناع) کی تاکید کردی جس کا فائدہ لو سے حاصل ہوا تھا ابن عصفور نے قول مختار یہ قرار دیا ہے کہ لکنَّ ساتھ ہی ساتھ دونوں معنوں (توکید و استدراک) کے لئے آتا ہے اور یہی بات پسندیدہ ہے جس طرح لفظ کانَّ تشبیہ موکد کے لئے آتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ

بعض لوگوں نے کہا کہ لکنَّ دراصل لکنّ اِنْ (دو کلموں) سے مرکب ہے، ہمزہ تخفیف کے لئے گرادیا گیا اور لکنَّ کا دوسرا نون دو ساکن حرفوں کے اکٹھا ہونے کی باعث گر گیا۔

(الاتقان: ۱/۴۶۵ تا ۴۶۶)

عسیٰ فعل جامد ہے یا مشتق

عسیٰ فعل جامد ہے اور اس کی گردان نہیں آتی یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے اس کو حرف کہدیا اور اس کے معنی ترجی فی المحبوب (پسندیدہ بات کی آرزو کرنا) اور اشفاق فی المکروہ (ناپسندیدہ بات سے ڈرنا) قرار دیئے ہیں اور یہ دونوں معنی قولہ تعالیٰ "وعسیٰ انْ تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئًا وھو شرٌ لکم " میں اکٹھا ہوگئے ہیں۔ ابن فارس کا بیان ہے کہ عسیٰ قرب اور نزدیک ہوجانے کے معنی میں آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "قل عسیٰ ان یکونَ رَدِفَ لکم." (ایضاً: ۱/۴۴۳)

عسیٰ بطور خبر صیغۂ واحد اور بطور استفہام صیغۂ جمع کیساتھ آتا ہے

کسائی نحوی کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں جہاں کہیں بھی عسیٰ بطور خبر آیا ہے وہ صیغہ واحد ہی کے ساتھ واقع ہوا ہے جیسا کہ سابق آیت میں ہے تو اس کی توجیہ "عسی الاثران یکون کذا" کے معنی سے کی گئی ہے اور جس جگہ عسیٰ کا وقوع استفہام کے معنی میں ہوا ہے اس کو جمع کے صیغہ میں لاتے ہیں جیسے قولہ تعالیٰ " فھل عسیتم ان تولیتم " ابو عبیدہؒ کا قول ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ آیا تم نے اس بات کو جان لیا؟ اور آیا تم اس کو آزما چکے ہو؟ (ایضاً: ۱/۴۴۳)

قرآن میں عسیٰ ہر جگہ وجوب کے لئے آیا ہے

ابن ابی حاتم اور بیہقی وغیرہ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کل عسیٰ فی القرآن فھی واجبة، قرآن میں جتنی جگہ پر عسیٰ آیا ہے وہ واجب ہی کے معنی میں آیا ہے (اور شافعیؒ کا قول ہے کہ یقال عَسیٰ منَ اللہِ واجبةٌ کہا جاتا ہے کہ خدا کی طرف سے عسیٰ کہا جانا بمعنی امر واجب کے ہے) ابن الانباری کہتے ہیں کہ عسیٰ قرآن

مجید میں واجب ہی ہے مگر دو جگہیں اس امر سے مستثنیٰ ہیں موضع اول یہ ہے قولہ تعالیٰ عسیٰ ربکم ان یرحمکم یعنی بنی النضیر پر رحم کرے پھر خدا نے ان پر رحم نہیں فرمایا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے جنگ کر کے انہیں سزائیں دیں موضع دوم یہ ہے قولہ تعالیٰ عسیٰ ربہٗ ان طلقکنّ ان یبدلہٗ ازواجاً الآیۃ کہ وہ تبدیل واقع نہیں ہوئی اور بعض لوگوں نے اس استثناء کو باطل قرار دے کر قاعدہ میں عمومیت وجوب بحال رکھی ہے کیونکہ مثال اول میں رحمت داخل ہونے کے لئے ان لوگوں پر دوبارہ بدکرداری کی طرف عود کرنے کی شرط لگادی گئی تھی جیسا کہ فرمایا "وان عُدتُّم عُدنا "اور اس میں شک نہیں کہ بنی النضیر کے یہود نے دوبارہ شرارت آغاز کی اس لئے ان کو سزا دیا جانا واجب ہو گیا اور دوسری مثال میں بیویوں کی تبدیلی رسول اللہ ﷺ کے طلاق دینے سے مشروط تھی اور جب کہ آپ ؐ نے امہات المومنین کو طلاق نہیں دی اس واسطے تبدیلی واجب نہیں ہوئی۔

(ایضا: ۱/۴۴۳ تا ۴۴۴)

لا بمعنی ''غیر'' بطور اسم

لا، غیر کے معنی میں اسم ہو کر بھی وارد ہوتا ہے اور اس صورت میں اس کا اعراب اس کے مابعد میں ظاہر ہوا کرتا ہے اس کی مثال یہ ہے قولہ تعالیٰ غیر المغضوب علیھم ولاالضالین. لامقطوعة ولاممنوعةٍ لافارضٌ ولابِکر

فائدہ

کبھی لا کا الف حذف بھی کر دیا جاتا ہے اور اس کی مثال ابن جنی نے قولہ تعالیٰ واتقوا فتنةً لاتصیبنّ الذین خاصة کو بحذف الف لتصیبنّ قرأت کی ہے۔

(ایضا: ۱/۴۶۴)

لاجرم

یہ لفظ قران مجید میں پانچ جگہوں پر آیا ہے اور اس طرح کہ اس کے بعد اس سے ساتھ ہی ملا ہوانَّ اور اس کا اسم بھی واقع ہے اور لَاجَرَمَ کے بعد کوئی فعل نہیں آیا ہے اس

کے بارے میں بھی اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ اس میں بوجہ اس بیان کے جو پہلے گذر چکا لا نافیہ ہے اور جرمَ فعل ہے جس کے معنی ہیں حقاً اور اَنَّ مع اس جملہ کے جو ان کے حیز میں ہے موضع رفع میں پڑا ہے اور کسی کے نزدیک اس میں لا زائد ہے اور جرمَ کے معنی ہیں۔ کَسَبَ (یعنی یہ کہ) ان کے عمل نے (ان لوگوں کیلئے) ندامت و پشمانی کمائی اور انَّ کے حیز میں واقع ہونے والا جملہ موضع نصب میں پڑا ہے اور کوئی یہ رائے دیتا ہے کہ لا اور جرمَ دونوں دو کلمے ہیں جو باہم ترکیب پا گئے (مرکب بنائی) اور اب اس کے معنی ہو گئے حقا اور کہا گیا ہے کہ لَا جرمَ کے معنی ہیں لا بُدا اور اس کا مابعد بوجہ سقوط حرف جر کے موضع نصب میں آپڑا ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ فراء نحوی کا قول ہے کہ یہ لا بُدَّ اور لامحالہ کے معنی میں تھا کثرت استعمال کے باعث حقاً کے معنی میں ہو گیا چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں کہ لا جرمَ انک محسنٌ بمعنی حقاً انک محسنٌ اس سلسلہ میں نحویوں کے مختلف اقوال ہیں (۱) لا حرف نفی ہے اور جرمَ قَطَعَ کے معنی میں ہے چنانچہ لا جرم کے معنی لا قطع (۲) زجاج نحوی کا فرمان ہے کہ کلمہ لا نفی ہے جو کفار کے ظن کے ازالہ کے لئے اور جرم کسب کے معنی میں ہے۔ (۳) سیبویہ و اخفش کہتے ہیں کہ اس میں لا کفار کے زعم کی تردید کے لئے ہے اور جرم کے معنی حق وضع کے ہے۔ صاحب تفسیر ابو سعود لکھتے ہیں کہ لا جرمَ میں تین وجوہ ہیں اول یہ کہ لا نافیہ اور جرم حق کے معنی میں فعل ہے اور ان مع اس جملہ کے جو اس کے خبر میں ہے، اس کا فاعل ہے یہی سیبویہ کا مذہب ہے۔ بمعنی کسب اور اس کا مابعد مفعول اور اس کا فاعل وہ ہو گا جن پہ کلام دلالت کرے گا یعنی خسران اس صورت میں معنی ہوں گے کہ اس سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا سوائے اظہار خسران کے۔ سوم لا جرمَ بمعنی لا بُدَّ کفار کے لئے آخرت میں جہنم ضروری ہے۔ دیکھئے۔

(تفسیر ابی سعود: ۴/۱۹۷، التفسیر الکبیر ۱۷/۲۰۸ طہران)

اَلآنَ

یہ زمانہ حاضر کا اسم ہے کبھی کبھی اس کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی از روئے مجاز استعمال کر لیا جاتا ہے اور بہت سے لوگوں کا قول یہ ہے کہ دونوں زمانوں کا جملہ ہے یعنی اس

کا ایک کنارہ زمانہ ماضی ہے اور دوسرا کنارہ زمانہ مستقبل سے متصل ہے اور کبھی اس کے ساتھ ان دونوں میں سے قریب تر زمانۂ کے جانب تجاوز کیا جاتا ہے ابن مالک کہتے ہیں کہ اَلانَ اس وقت کا اسم ہے جو بتمامہ موجود ہوتا ہے جیسے نطق (تلفظ) کی حالت میں فعل انشاء کا وقت کہ اس کو زبان کے ساتھ ادا کرنے کے ساتھ ہی جب کہ وہ لفظ پورا ہوا ہو یا ہنوز اس کا کچھ ہی حصہ تلفظ میں آیا ہو اس کا زمانہ موجود ہو جاتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "الانَ خفف الله عنكمُ "اور فمن يستمع الانَ بجد لهٗ شهابار صداً . ابن مالک نے کہا ہے کہ اس کی ظرفیت غالب ہے لازم نہیں۔ (الاتقان: ۱/۴۰۴ تا ۴۰۵)

الآنَ کا الف لام

اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس میں الف لام کیسا ہے۔ چنانچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ تعریف کا ہے اور بعض لوگوں نے زائدہ لازمہ قرار دیا ہے۔ (ایضاً: ۱/۴۰۵)

کیا لَعَلَّ اپنے اسم کو جر دیتا ہے؟

علامہ ابوفیض الزبیدی ارقام فرماتے ہیں کہ یہ حروف مشبہ بالفعل میں سے ہے جو کہ ناصب اسم ورافع خبر ہے لیکن بعض حضرات اس کے مابعد کو مجرور پڑھتے ہیں یعنی لَعَلَّ زيدٍ قائمٌ عَلَّ زيدٍ قائمٌ قبیلہ بنی عقیل کے ایک آدمی ابوزید سے اس کو پڑھتے ہوئے سنا گیا ہے "وبعضهم يُخفضُ مابعد ها فيقول لعلَّ زيدٍ قائمٌ . علَّ زيدٍ قائمٌ سمعهٗ ابوزيد من بني عقيل." (تاج العروس: ۱۵/۵۱۸ مطبوعہ بیروت)

علیٰ اسم بھی، فعل بھی حرف بھی

علیٰ حرف جار ہونا تو ایک مشہور بات ہے لیکن لطف اور مزہ کی بات یہ ہے کہ اسم بھی ہوتا ہے لیکن اس صورت میں جس کو اخفش نحوی نے ذکر کیا ہے کہ جس وقت علیٰ مجرور اور اس کے متعلق کا فاعل دونوں ایک ہی مسمّٰی کی دو ضمیریں ہوں جیسے قولہ تعالیٰ وامسك عليك زوجک میں ہے اسی طرح علیٰ مصدر عُلُوٌّ سے فعل بھی ہے اس کی مثال "انَّ فرعونَ علیٰ فی الارض" ہے۔ (الاتقان: ۱/۴۴۲، لاہور)

حرف الی کا استعمال بطور اسم

ابن عصفور نے ابن الانباری کا یہ قول بیان کیا ہے کہ الی حرف جار اسم کے طور پر بھی مستعمل ہوتا ہے اور جس طرح "غدوت من علیه" کہا جاتا ہے اسی طور پر "الضرفت من الیکَ" بھی کہا جاتا ہے پھر اس کی نظیر میں قرآن مجید سے "وھُزّیٓ الیکَ بجذعِ النخلِ" کو پیش کیا ہے۔ اس بیان سے وہ اشکال بھی دفع ہو جاتا ہے جس کو ابوحیان نے اس آیت پر کہا ہے کہ مشہور قاعدہ کی رو سے فعل اس ضمیر کی جانب متعدی نہیں ہو سکتا جو بذاتہ اس کے ساتھ متصل ہو یا کسی حرف کے ذریعہ سے اتصال رکھتی ہو مگر یہاں پر فعل نے ضمیر متصل کو رفع دیا ہے حالانکہ لطف کی بات ان دونوں کا باب ظن کے سوا دوسرا باب میں مدلول کے لئے آنا ہے۔ (ایضا:۱/۴۰۶)

قرآن میں مفعول معہ کا وجود

بعض علماء کا قول ہے کہ قرآن مجید میں باوجود اس کے کہ منصوبات کی کثرت ہے مگر کوئی مفعول معہ اس میں نہیں آیا علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں متعدد جگہیں ایسی ہیں جن کو مفعول معہ کی حیثیت سے اعراب دیا گیا ہے ان میں سے ایک جو سب سے زائد مشہور ہے وہ قولہ تعالیٰ فاجمعوا امرکم وشرکاء کم ہے یعنی تم مع اپنے شریک لوگوں کے اپنے معاملہ کو جمع کر لو اس بات کو علماء کی ایک جماعت نے بیان کیا دوم قوا انفسکم واھلیکم ناراً علامہ کرمانی اپنی کتاب غرائب التفسیر میں رقمطراز ہیں کہ یہ مفعول معہ ہے یعنی مع اھلیکم (اپنے گھر والوں سمیت) سوم قولہ تعالیٰ لم یکن الذین کفروا من اھل الکتابِ والمشرکین" کی بابت شیخ کرمانی کا قول ہے کہ احتمال ہوتا ہے کہ "والمشرکین" الذین یا اس واؤ سے جو کہ کفروا میں ہے مفعول معہ واقع ہو۔ (ایضا:۱/۵۰۱)

اَمَّا کا حرف شرط ہونے کی دلیل

اَمَّا فتحہ اور تشدید کے ساتھ حرف شرط بھی ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد حرف فاء کا آنا لازم ہے جیسے قولہ تعالیٰ فامّا الذین آمنوا فیعلمون انہٗ الحق من ربّھم

واماالذین کفروا فیقولون . اور امّا الذین سعدوا ففی الجنة واما الذین شقوا ففی النار. میں دیکھا جاتا ہے رہی بات قولہ تعالیٰ "فامّا الذین اسودت وجوھھم اکفرتم" میں کے اس اما کے بعد حرف فاء کے نہ آنے کی وجہ "قول" کا مقدر ہونا ہے یعنی اصل میں فیقال لھم اکفرتم ہونا چاہئے مگر مقولہ نے قول سے مستغنی بنادیا اس واسطے قول حذف کردیا گیا اور فاء بھی اس کے ساتھ حذف ہوگئی یہی توجیہ "واما الذین کفروا افلم تکن ایاتی" کی بھی ہے۔ (اتقان:۱/۴۰۸،لاہور)

امّا اور حرف فاء کے مابین فصل

امّا اور حرف فاء (ف) کے مابین یا تو مبتدا کو فاصل ٹھہرایا جاتا ہے جیسا کہ سابقہ آیتوں میں گذرا یا خبر کے ذریعہ سے ان کے مابین فصل وجدائی کی جاتی ہے جس طرح امّا فی الدار فزیدٌ یا جملہ شرطیہ کے ساتھ فصل ہوگا جیسے قولہ تعالیٰ فامّا انْ کانَ مِنَ المقربین فروحٌ وریحانٌ میں پایا جاتا ہے۔ اور یا تو اس اسم کے ذریعہ سے جو کہ جواب ہونے کے لحاظ سے منصوب ہو یہ فصل کرینگے جیسے قولہ تعالیٰ فاماالیتیم فلا تقھر ،واما السائل فلاتنھر یا اس معمول کے اسم سے جو کسی محذوف کا معمول اور مابعد فاء کی تفسیر کرتا ہو جس طرح قولہ تعالیٰ واما ثمودَ فھدینا ھُمْ بعض قراءت میں نصب کے ساتھ آیا ہے۔

(الاتقان ۱/۴۰۸)

وہ اَمَّا جو اَمْ اور ما استفہامیہ سے مرکب ہے

قولہ تعالیٰ "اَمَّا ذا کنتم تعملونَ" میں جو لفظ اَمَّا ہے وہ اس اَمَّا کی قسم سے نہیں بلکہ وہ دو کلموں سے مرکب لفظ ہے ام منقطعہ اور ما استفہامیہ سے۔ (حوالہ بالا)

وہ امّا جو اِنْ اور ماَ سے مرکب ہے

قولہ تعالیٰ فَامَّا ترین من البشر احداً میں جو اِمَّا آیا ہے وہ دو لفظوں سے مرکب ہے اِنْ شرطیہ اور ما زائدہ۔ (حوالہ بالا)

اِمَّا عاطفہ اور غیر عاطفہ

اِمَّا جب تینوں قسموں میں سے پہلی قسم (ابہام) کے معنی میں جو آتا ہے وہ بلا کسی اختلاف کے غیر عاطفہ ہے مگر دوسری قسم (یعنی تخییر) کی مثالوں میں جو اِمَّا آتا ہے اس کی بابت اختلاف ہے اکثر لوگ اس کو عاطفہ قرار دیتے ہیں اور ایک گروہ نے اس بات کو ناپسند کیا ہے جن میں ابن مالک بھی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بیشتر اوقاتِ اِمَّا واو عاطفہ کے ساتھ لزوم کے طور پر آیا کرتا ہے یعنی واو عاطفہ اس کا ضروری جزو بنا رہتا ہے اور ابن عصفور نے امّا کے عاطفہ نہ ہونے پر اجماع کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے عطف کے باب میں بیان کرنے کی وجہ اس کا حروف عطف کے ساتھ ہی ساتھ رہنا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ امّا نے ایک اسم کو دوسرے اسم پر عطف کر دیا ہے اور واؤ عاطفہ ایک اِمَّا کو دوسرے اماَ پر عطف کرتا ہے اور یہ عجیب و غریب خیال ہے۔ (ایضا: ۴۰۹/۱ تا ۴۱۰)

اِمَّا کے متعدد معانی

کسرہ اور تشدید کے ساتھ کئی معنوں کے لئے وارد ہوتا ہے۔ (۱) ابہام (گول مول بات کہنا) مثلاً قولہ تعالیٰ وآخرونَ مرجونَ لامر اللّٰہ امَّا یعذبھم و امَّا یتوبَ علیھم (۲) تخییر (اختیار دینا) جیسے قولہ تعالیٰ اِمَّا اَنْ تُعذِّبَ واِمَّا اَنْ یَتَّخِذَ فیھِمْ حسناً" امَّا ان تلقی وامَّا ان تکون اوّل مَنْ القٰی "فامَّامنا بعد و امَّا فداءً اور (۳) تفصیل کے معنی میں آتا ہے جس طرح قولہ تعالیٰ امَّا شاکراً و اما کفوراً۔ میں ہے۔

(فانظر الاتقان: ۴۰۹/۱، لاہور)

اُولیٰ کے معنی کے متعلق اہل لغت کے اقوال

قولہ تعالیٰ "اَوْلیٰ لَکَ فأولیٰ اور فاولیٰ لَھُمْ" صحاح میں آیا ہے کہ اہل عرب کا قول اولیٰ ایک دھمکانے اور خوف دلانے کا کلمہ ہے چنانچہ شاہد کہتے ہیں فاوْلیٰ ثم اولیٰ اصمعی کہتے ہیں کہ اس کے معنی قاربہ مایھلکه یعنی اس پر ہلاک کرنیوالی شئی نازل ہوئی ثعلب کہتے ہیں کہ اولیٰ کے متعلق اصمعی سے بہتر بات کسی نے نہیں کہی "قال ثعلب ولم

یقل احدٌ فی اولیٰ احسنٌ مماقال الاصمعی "بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اولیٰ لک فاولیٰ میں اولیٰ اسم فعل اور مبنی ہے اس کے معنی ہیں وُلِیَکَ شرٌّ بعد شرٍّ اور لکَ کلمہ تبیین ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وعید (دھمکی دینے) کا علم اور غیر منصرف ہے اسی وجہ سے اس کو تنوین نہیں دی گئی اور اس کا محل بلحاظ ابتداء کے حالت رفع میں ہوتا ہے اور لک اس کی خبر ہے۔ ثعلب کہتے ہیں کہ کلام عرب میں اولیٰ لک کے معنی ہلاکت سے نزدیک ہونے کے ہیں گویا کہ اس کا قائل مخاطب سے کہتا ہے قد ولیت الھلاک اوقد قربت الھلاک (یعنی بے شک نزدیک ہوا تو ہلاک سے یا بیشک قریب پہنچا تو ہلاک کے) نحاس کہتے ہیں کہ اہل عرب اوُلیٰ لک اس معنی میں بولتے ہیں کہ کدت تھلک کہ تو قریب بہلاکت ہو گیا ہے اور اس کی تقدیری عبارت اولیٰ لک الھلکة " تیری ہلاکت قریب آئی۔

(اتقان ص: ۱/۴۲۱ تا ۴۲۲، تاج العروس ۲۰/۳۱۴، الصحاح: ۲/۵۳۰ تا ۵۳۱ بیروت)

عطف بیان مدح کے لیے بھی آتا ہے

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ کبھی عطف بیان محض مدح کے لئے آیا کرتا ہے اور اس میں وضاحت وایضاح کے معنی بالکل نہیں ہوتے اس کی مثال یہ ہے قولہ تعالیٰ جَعَلَ اللہ الکعبةَ الْبیْتَ الحرام. یہاں پر بیت الحرام مدح کے لئے عطف بیان ہے نہ کہ ایضاح کے واسطے۔ (الاتقان ۱/۴۲۲)

والصابئون میں اعراب کی توجیہات

قولہ تعالیٰ والصابئون میں بھی کئی وجہیں آئی ہیں۔ (۱) یہ کہ وہ مبتدا ہے اس کی خبر حذف کردی گئی یعنی اصل میں "الصابئون کذٰلک" تھا (۲) یہ کہ اَنَّ کے اسم کے ساتھ اسی کے محل پر معطوف ہے کیونکہ اَنَّ اور اس کے اسم دونوں کا محل رفع بالابتداء ہے (۳) یہ کہ وہ ھادوا میں جو (ضمیر) فاعل ہے اس پر مطعوف ہے (۴) یہ کہ اِنَّ نعِمَ کے معنی میں آیا ہے لہٰذا الذین آمنوا اور اس کا مابعد رفع میں ہے اور اسی پر والصابئون کا عطف ہوا ہے۔ (۵) یہ کہ والصابئون جمع کا صیغہ ہے مگر مفرد کا قائم مقام بنادیا گیا اور اس میں نون حرف اعراب (اعرابی) ہے ان کو بھی ابوالبقاء نے بیان کیا ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

اِنَّ ھٰذان لساحرانِ کے اعراب کی توجیہات

ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ اِنَّ ھٰذان لساحرٰن اور "ان ھٰذین لساحرین" دونوں طرح قراءت کرنا یکساں ہے شاہد کہتے ہیں کہ مصحف کو نقل کرنے والوں نے الف کو یاء کی جگہ میں لکھدیا چنانچہ اس کی کئی توجیہات ہیں (۱) ان ھذا لساحرانِ جن لوگوں کی زبان میں تثنیہ کا صیغہ رفع، نصب، اور جر تینوں اعراب کی حالتوں میں الف ہی کے ساتھ آتا ہے یہ آیت انھی کی زبان میں آئی ہے۔ (۲) یہ کہ اِنْ جو کہ (اِنّ مشددہ سے تخفیف کرلیا گیا ہے) کا اسم ضمیر شان یہاں محذوف ہے اور ھٰذان لساحرانِ جملہٗ اسمیہ مبتدا اور خبر سے مل کر اِنَّ کی خبر واقع ہے (۳) دوسری توجیہ کے موافق مگر اتنا فرق ہے کہ ساحران ایک مبتدا محذوف کی خبر ہے جس کی تقدیر لَھُمَا ساحرانِ (۴) یہ کہ اِنَ اس مقام پر نَعَم کے معنٰی میں ہے اور ھاَ ضمیر قصہ کی اِنَّ کا اسم اور ذان لساحران مبتدا و خبر ہیں مگر اس وجہ کی تردید پہلے یوں کی جا چکی ہے کہ ان کا جدا کر کے لکھا جانا اور ہا کو جملہ کے ساتھ کتابت میں متصل کرنا اس قول کی صحت تسلیم کرنے سے روکتا ہے علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ مجھے ایک اور وجہ کا انکشاف ہوا ہے کہ ھٰذان میں ساحرانِ یریدان کی مناسبت سے الف لایا گیا ہے جس طرح کہ سلاسِلا کو اغلالاً کی اور مِنْ سبأٍ کو بنباءٍ مناسبت سے تنوین دی گئی ہے۔ (ایضاً: ۱/۴۹۶ تا ۴۹۷)

انْ ھذان لساحران پر ابن یعیش نحوی کی عمدہ توجیہہ

ابن کثیر اور امام حفص کی قرأت میں انْ مخففہ پڑھا گیا ہے اور ابو عمر اس کی انّ ھٰذینُ لساحران بتشدید النون والیافی ھذین اور دیگر حضرات نون مشدد اور الف کے ساتھ پڑھتے ہیں تاہم ابن کثیر اور حفص کی قراءت کے مطابق ان مخففہ من المثقلہ ہے اور ان نافیہ و مخففہ کے مابین امتیاز و فرق کے لئے لام کا دخول کیا گیا تو چونکہ الفاظ کی کمی اور دائرہ حروف مشبہ بالفعل سے نکل جانے کے باعث انّ کا بھی عمل باطل ہو گیا انّ مخففہ مکسورہ کے متعلق یہی قول مختار ہے اس سلسلہ میں کوفیین حضرات کہتے ہیں کہ "انْ ھٰذان

لساحران" میں ان بمعنی نفی ہے اور لام بمعنی اِلَّا ہے اصل عبارت ماھٰذان الاّ ساحران اور یہ اپنی اصل کے مطابق جواب حسی ہے مگر بصریین اس جواب سے ناخوش ہوتے ہوئے کہتے ہیں کہ الاّ کے معنی لام کا آنا یہ ثابت نہیں ہے۔مروج قرأت پر توجیہ یہ ہوگی کہ یہ بنی حارث کی لغت ہے جو کہ تثنیہ میں بہر صورت واحوال الف رکھتے ہیں گویا کہ بنی حارث یاء کو الف سے بدل دیتے ہیں ماقبل فتحہ کے باعث حتی کہ ماقبل ساکن میں بھی جیسے یایٔس کو یاءس ،ابواسحٰق کہتے ہیں کہ اس میں "انّ" میں ہاء مقدر مانا جائے اور تقدیری عبارت انه هٰذان لساحران اور لام زائدہ برائے تاکید قرار دیا جائے۔ایک جماعت یہ توجیہہ بیان کرتی ہے کہ "انُ" یہاں "نعم" کے معنی میں ہے اور معنی ہوں گے نعم هٰذان لساحران اور لام زائدہ موکدہ اگر اس صورت میں اس کا محل یعنی لام تاکید کا محل دخول اسم ہے لیکن لفظ اِنُ (اگرچہ معنی نعم ہے) کے ظاہری وجود کے باعث خبر پر داخل کر دیا جیسا کہ مشبہ بالفعل میں ہوتا ہے۔ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ اور محمد بن یزید اور ابوالحسن علی بن سلیمان الاخفش اس قول کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اِنَّ نعم کے معنی میں کثیر الاستعمال ہے جیسے، شاعر کا قول..........

ویقُلن مشیب قد علا ے

ک وقد کبرت فقلت انَّہٗ

ای نعم ھو اور ھاء بیان حرکت کے لئے ہے اس شعر سے استدلال یوں کرتے ہیں کہ یہاں انّ نعم کے معنی میں ہے اور ہاء برائے وقفہ وسکتہ ہے۔(شرح المفصل ۱۳۱/۳)

المقیمین الصلوٰۃ کے اعراب کی توجیہات

قولہ تعالیٰ "المقیمین الصَّلوٰۃ" میں بھی کئی ایک حسب ذیل اعراب کی وجہیں ہیں (۱) یہ کہ وہ مقطوع الی المدح ہے (مدح کے لئے اضافت سے منقطع کر دیا گیا کہ) ہے امدح کی تقدیر پر کیونکہ یہ وجہ بلیغ تر ہے۔(۲) یہ کہ وہ "یومنونُ بما اُنزِلَ اِلَیکَ" میں جو مجرور ہے اس پر مطعوف ہے یعنی اس کی تقدیر ویومنونَ بالمقیمین الصلوٰۃ ہے۔ اور یہ لوگ انبیاء ہیں اور ایک قول کے لحاظ سے ملائکہ اور کہا گیا ہے کہ عبارت کی تقدیر

یُؤمنونَ بدینِ المقمینَ ہے لہٰذا اس سے مسلمان مراد ہونگے اور کہا گیا ہے کہ اس عبارت کی تقدیر باجابة المقیمین ہے۔ (۳) یہ کہ وہ قبل پر معطوف ہے یعنی تقدیر عبارت ومن قبل المقیمین ہے چنانچہ لفظ قبل (مضاف) حذف کردیا اور مضاف الیہ اسکا قائم مقام بنایا گیا جس کو اصطلاح میں منصوب بنزع خافض کہتے ہیں (۴) یہ کہ وہ قبلک میں جو خطاب کا کاف ہے یہ اسی پر معطوف ہے ان وجوہ کو میر ابوالبقاء نے بیان کیا ہے۔

●(ایضاً:۱/۴۹۷)

ان حروف کا بیان جو کہ تین وجوہ سے قرأت کئے گئے ہیں

اس میں ان حروف کا بیان ہوگا جو کہ تین وجوہ سے قرأت کئے گئے ہیں۔ اعراب بناء اوراسی کے مثل کسی تیسری وجہ سے۔ میں نے احمد بن یوسف بن مالک البرعینی کی ایک عمدہ تالیف اس موضوع پر مطالعہ کی ہے اس کتاب کا نام تحفة الاقران فیما قرئ بالثلیث من حروف القرآن ہے الحمد للهِ حمد کے دال کو ابتداء (مبتدا ہونے) کے لحاظ سے رفع مصدر (مفعول مطلق) ہونے کے اعتبار سے نصب اور اس رعایت سے کہ دال للہ کے لام کی حرکت کا متبع (پیروی) کسرہ دے کر پڑھا جاتا ہے۔ رب العالمین ب کو صفت ہونے کی وجہ سے جر کے ساتھ مبتدا مضمر مان کر اور اسے اضافت توصیفی منقطع کر کے رفع کے ساتھ اور اسی قطع اضافت کی بنیاد پر کسی فعل کے اضمار یا اس کے نداء ہونے کا خیال کر کے نصب کے ساتھ قراءت کرسکتے ہیں۔ الرحمن الرحیم دونوں کی قراءت مذکورہ بالا ہر سہ وجوہ اعراب کے ساتھ آتی ہے اثنتاعشرة عیناً "ش" کے سکون کے ساتھ جو کہ تمیم کی لغت ہے اس کے کسرہ کے ساتھ جو کہ حجاز کی لغت ہے اور اس کو فتحہ دے کر جو کہ بکی کی لغت ہے تینوں طرح اسکی قراءت ہوئی ہے۔ "المرءُ" میم کو تینوں حرکتوں کے ساتھ قراءت کیا گیا ہے اس کے بارے میں بھی اتنی ہی لغتیں آئی ہیں فبهتَ الذی کفر . کفر کو ایک جماعت نے مفعول پر بناء کر کے (فتحہ کے ساتھ) قراءت کیا ہے اور ایک قراءت میں ضَرَبَ ، عَلِمَ ، حَسُنَ کے وزن پر بنا (فتحہ پر مبنی) کر کے فاعل قرار دیا گیا ہے ذرّیةً بعضها من بعضٍ ! ذال کو تینوں حرکات کے ساتھ قراءت کیا گیا ہے۔ واتقو اللّٰه الذی

تساء لونَ به والارحام میں میم کو اسم اللّٰہ پر معطوف کر کے نصب اور بہ کی ضمیر پر عطف کر کے جر اور خبر محذوف کا مبتدا بنا کر رفع کے ساتھ قرأت کیا گیا ہے۔ یعنی والارحامَ ممّا یجب ان تتقوہ وان تحاطوُا لانفسکم فیه. ارحام بھی ان چیزوں میں سے ہے جن سے ڈرنا واجب ہے اور تم اپنے نفسوں کو انکے بارے میں محتاط بناؤ لایستویٰ القاعد وْنَ من المومنین غیر اولیٰ الضرر. ضرر کی راء صوت قراء دے کر رفع، مومنین کی صفت ٹھہرا کر جر۔ اور مستثنیٰ منہ ماننے کی وجہ سے نصب کے ساتھ پڑھی گئی ہے۔ وامسحوا بروسکُمْ وارجلکم ارجل کے لام کو ایدی پر عطف کرنے کے لحاظ سے نصب۔ جوار یا کسی اور لحاظ سے جر اور خبر محذوف (جس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے) کا مبتدا مان کر رفع کے ساتھ قراءت کیا گیا ہے۔ "فجزاءٌ مِثْل ماقتَلَ مِنَ النعم" مثل کو جزاء کا مضاف الیہ قرار دے کر جر جزاءٌ کی صفت ٹھہرا کر رفع وتنوین اور جزاء کا مفعول بنا کر نصب کے ساتھ قراءت کیا گیا ہے۔ واللّٰہُ ربَّناَ. ربَّناَ کو صفت یا بدل بنا کر جر اور نداء یا امدحُ فعل کو مضمر مان کر نصب اور اسم اللّٰہ اور رب دونوں کو مبتدا وخبر ہونے کی حیثیت سے رفع دے کر قراءت کی گئی ہے۔ ویذرکَ وآلِھَتکَ، یذرکَ کو رفع، نصب وجزم راء کے ساتھ خفت کے خیال سے قراءت کیا گیا ہے۔ فاجمعوا امرکم وشرکاء کم میں شرکاء کم نصب کے ساتھ مفعول معہ یا مطعوف یا ادعوا فعل کو مقدر قرار دے کر پڑھا ہے۔ فاجمعوا کی ضمیر پر عطف کر کے یا مبتدا خبر محذوف قرار دے کر رفع کے ساتھ اور کم پر جو کہ امرکم میں ہے عطف کرنے کی وجہ سے جر دے کر قراءت کیا ہے۔ "وکاَیِّنْ من اٰیَةٍ فی السمٰوٰت والارضِ یمرونَ علیھا" ارض کو اس سے ماقبل پر عطف کر کے جر اور باب اشتغال سے قرار دے کر نصب اور اس لحاظ سے کہ وہ مبتدا اور اس کا مابعد خبر ہے رفع دے کر قرأت کی گئی ہے۔ وحُرِمَ علیٰ قریةٍ. حرم فعل ماضی کا صیغہ حرف راء کے فتحہ کسرہ اور ضمہ ہر سہ حرکتوں کے ساتھ اور صیغہ وصف "حرم" کے لحاظ سے فتحہ حاء کے ساتھ راء کو کسرہ وسکون دے کر اور کسرہ حاء ساتھ راء کو ساکن کر کے بھی پڑھا ہے اور اس کے علاوہ اس کی قراءت حرامٌ فتحہ اور الف کے ساتھ بھی کی گئی ہے غرضیکہ اس میں جملہ سات قراءتیں ہیں۔ کوکبٌ دُرِّیٌ

اس کی قراءت حرف دال کی ہرسہ حرکتوں کے ساتھ کی گئی ہے یٰسٓ مشہور قراءت سکون نون کے ساتھ ہے اور شاذ طریقہ پر فتحہ نون کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے بلحاظ تخفیف اور باعتبار التقاء ساکنین کے (یعنی یا ونون ملفوظی جو کہ سین کے تلفظ میں آتے ہیں) کسرہ نون کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور پھر نداء ہونے کے لحاظ سے اس کو رفع بھی دیا جاتا ہے۔ سواءً للسائلینَ. سواء کو حال قرار دے کر نصب کے ساتھ اور شاذ طریقہ پر رفع کے ساتھ یعنی ہو سواءٌ (بحذف مبتدا) اور الایام پر محمول کر کے جر دے کر قراءت کیا ہے۔ لات حینَ مناص لفظ حِیۡنَ کو رفع نصب اور جر تینوں اعراب دے کر پڑھا ہے۔ (وقیلِہٖ یارَبِّ قیلِہٖ) کو مفعول مطلق بنا کر نصب اور دوسری طرح جر دے کر پڑھا ہے جس کی توجیہ پیشتر ہو چکی ہے اور شاذ طریقہ پر علم الساعة پر عطف کر کے رفع کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ قٓ مشہور قراءت سکون کے ساتھ ہے اور شاذ قراءت میں بوجہ مذکورہ بالا فتحہ و کسرہ بھی دیا گیا ہے۔ الحُبُکِ میں سات قراءتیں حاء اور باء دونوں کا ضمہ دونوں کا کسرہ دونوں کا فتحہ حاء کو ضمہ اور باء ساکن، حاء کو فتحہ اور باء کو فتحہ اور حاء کو کسرہ باء ساکن اور حاء کو کسرہ باء کو ضمہ "والحبُّ ذوا لعصفِ والریحان" ہرسہ حروف ب، فاء اور نون رفع، نصب اور جر کے ساتھ اس کی قراءت کی گئی ہے وحورٌ عِیۡنٌ کامثالِ اللُّؤلو، حور اور عین دونوں لفظوں کے جر رفع اور نصب کے ساتھ۔ یزوجوک فعل مضمر کی وجہ سے پڑھا ہے۔

(الاتقان: ۱/۱۰۵)

زمانہ ماضی اور مضارع میں تجدد سے مراد

زمانہ ماضی میں تجدد سے مراد حصول ہے اور مضارع میں تجدد سے مراد یہ ہے کہ اس امر کی شان یہ ہونی چاہئے کہ بار بار ہو اور یکے بعد دیگر واقع ہوتا رہے اس بات کی تصریح علماء کی ایک جماعت نے کی ہے جس میں زمخشری بھی ہیں اور زمخشری نے قولہ تعالیٰ یستھزی بھم کی تفسیر میں یہ بات بیان کی ہے۔ شیخ بہاؤالدین سبکی کا قول ہے کہ وہ اسی مذکورہ بالا بیان سے اس اعتراض کا جواب بھی واضح ہو جاتا ہے جو کہ علم اللہ کذا کی مثال پر کیا جاتا ہے۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ علم فعل ماضی ہے۔ جس سے خدا تعالیٰ کے علم کا

محض زمانۂ ماضی میں واقع ہونا مفہوم ہوتا ہے حالانکہ خدا کا علم ازلی، ابدی و سرمدی ہے یعنی ہر ایک زمانہ میں دائم قائم رہتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم متجدد نہیں ہوتا اور اسی طرح ان تمام دائمی صفات کا بھی حال ہے جن میں فعل کا استعمال ہوتا ہے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ "علم الله كذا" کے معنی یہ ہیں کہ اس کا علم گذشتہ زمانہ میں واقع ہوا ہے اور اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ معاذ اللہ خدا کا علم زمانہ ماضی سے قبل تھا ہی نہیں کیونکہ زمانہ ماضی میں علم کا ہونا اس علم سے زیادہ عام ہے جو کہ مستمر علی الدوام (ہمیشہ رہنے والا ہو) کیونکہ وہ اس زمانہ کے قبل، اس کے بعد اور اس کے غیر زمانہ پر بھی محیط ہوتا ہے چنانچہ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کا قول بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "الذی خَلَقَنی فهُوَ يهدين" کہ اس میں خلقَ کو صیغۂ ماضی کے ساتھ لایا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مفروغ عنہ (جس کام سے فراغت حاصل کر لی گئی ہو) ہے اور ہدایت دینا (کھانا کھلانا پانی پلانا) اور شفاء کو فعل مضارع کے ساتھ بیان کیا ہے جس کی علت یہ ہے کہ یہ باتیں متکرر اور متجدد ہیں یعنی ایک کے بعد پھر دوسری دفعہ واقع ہوتی ہیں۔ (۵۳۴/۱)

وجوب کے لئے مصدر مرفوع اور مستحب کے لئے مصدر منصوب

ابن عطیہ کہتے ہیں کہ امور واجبہ (واجبات) کے بیان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے بارے میں مصدر کو مرفوع لایا جاتا ہے اور مندوب (مستحب) باتوں کے ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے مصدر کو منصوب لایا جاتا ہے، واجبات کے بارے میں مصدر مرفوع کی مثالیں یہ ہیں قولہ تعالیٰ فامساکٌ بمعروفٍ اوتسريحٌ باحسانٍ اور فاتباعٌ بالمعروف واداءٌ اليه باحسان، مندوبات کے ذکر میں مصدر کے منصوب آنے کی مثالیں یہ ہیں قولہ تعالیٰ فضربَ الرقاب اور اسی وجہ سے قولہ تعالیٰ "وصيةً لازواجهم" میں مصدر کو منصوب اور مرفوع دونوں طریقوں پر باختلاف قراءت پڑھا گیا ہے علماء کا اس کی بابت اختلاف ہے کہ آیا بیویوں کے لئے وصیت کرنا واجب ہے یا مستحب، ابو حیان نے کہا ہے کہ اس اختلاف کی اصل قولہ تعالیٰ "قالوا سلاماً قال سلامٌ" ہے کہ اس میں پہلا لفظ یعنی سلاماً مستحب ہے (چنانچہ اسی کے اعتبار سے مصدر منصوب اور مصدر مرفوع کے مابین یہ مذکورہ

بالا فرق کیا گیا ہے) اور دوسرا یعنی "سلامٌ" واجب ہے اور اس میں باریکی یہ ہے کہ جملہ اسمیہ بہ نسبت جملہ فعلیہ کے اثبت (ثابت تر) اور آکد (زیادہ مؤکد) ہوا کرتا ہے۔

(الاتقان: ۱/۵۳۵ تا ۵۳۶)

فعل مضمر بھی فعل مظہر ہی کی طرح ہوتا ہے

فعل مضمر کی حالت بھی فعل مظہر ہی کی طرح ہوتی ہے اسی لئے علماء نحو نے کہا ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا سلام ملائکہ کے سلام سے زیادہ بلیغ ہے جب کہ ملائکہ نے کہا سلاماً تو ابراہیمؑ نے "سلامٌ" کہا کیونکہ سلاما کا نصب فعل کے ارادہ ہی پر ہوسکتا ہے یعنی تقدیر عبارت "سلمنا سلاماً" ہوگی اور یہ عبارت بتا رہی ہے کہ فرشتوں سے تسلیم کا حدوث ہوا یعنی سلام کرنے کا فعل ان سے متجدد ہوا کیونکہ فعل فاعل کے وجود کے بعد واقع ہوتا ہے بخلاف ابراہیمؑ کے سلام کے کہ وہ مبتداء ہونے کی جہت سے مرفوع ہے لہٰذا وہ مطلق طور پر ثبوت کا مقتضی ہوا اور یہ بہ نسبت اس شئی کے بہتر ہے جس کو ثبوت عارض ہوتا ہے پس گویا کہ ابراہیمؑ نے یہ ارادہ کیا کہ وہ فرشتوں کو ان کے سلام سے بڑھ کر اور بہتر سلام کریں۔

(الاتقان: ۱/۵۳۴ تا ۵۳۵)

اسم کی دلالت ثبوت اور فعل کی دلالت تجدد و حدوث کی بابت ابن الزملکانی کا اختلاف

اسم کی دلالت ثبوت اور فعل کی دلالت حدوث و تجدد پر ہونے کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ اہل بیان کے نزدیک ایک مشہور امر ہے مگر ابن الزملکانی کی کتاب تبیان پر "التمویہات" کے نام سے جو ایک رسالہ ابو المطراف بن عمیرہ نے لکھا ہے اس میں وہ اس بات سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ قول غریب (انوکھا) ہے اور اس کی کوئی سند نہیں کیونکہ اسم صرف اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے اور یہ بات کہ وہ کسی شئی کے لئے کوئی معنی ثابت کرے اس میں ہرگز نہیں ہوتی پھر اس کی مثال میں یہ آیتیں نقل کی ہیں ثم انکم بعد ذلک لمیتون ۔ ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون ، اور قولہ تعالیٰ انّ الذین ھم من خشیۃ

ربهم مشفقون والذین هم بایاتِ ربهم یومنون. ابن المنیر کہتے ہیں کہ عربیت (عربی زباندانی) کا طریقہ یہ ہے کہ کلام میں نزاکت اور لوچ ہو اور علماء کے بیان کے مطابق اس میں ایک بار جملہ فعلیہ اور بار دیگر جملہ اسمیہ کو بلا تکلف لا سکیں اور ہم نے خود اس بات کی تحقیق کی ہے کہ جملہ فعلیہ کا آغاز اقویاء خالص (بے آمیزش قوت والوں) کو صدر کلام میں لانے کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں بغیر کسی تاکید کے اصل مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ (تاکید حاصل ہونے کا اعتماد رہتا ہے) جیسے "ربنا امنا" کہ اس کے بعد اور کوئی شئی ایسی قوی نہیں اور "آمَنَ الرسولَ" ہاں منافقوں کے کلام میں بے شک تاکید آئی ہے دیکھو اللہ تعالیٰ ان کے قول کو یوں نقل کرتے ہیں فقالوا انما نحن مصلحون

(ایضاً:۱/۵۳۵)

جن مقامات میں جزاء پر فاء کا آنا ضروری ہے

جواب شرط یعنی جزاء پر فاء کا آنا سات جگہوں پر ضروری ہے (۱) جزاء جب کہ جملہ اسمیہ ہو جیسے اِنْ تعقُ فالعفومِنْ شیم الکرام (۲) جب کہ فعل جامد غیر مشتق ہو جیسے مَنْ یَزُرنی فلست اقصرفی اکرامہٖ (۳) جب کہ فعل طلبیہ ہو جیسے مَنْ سائلک فاجبه (۴) جب کہ ما یا لن کے ذریعہ منفی ہو جیسے من یاتِ اِلیٰ فما ارده خائباً یالَنْ اردّهٗ خائباً (۵) جب کہ حرف قد یا سین یا سوف سے متصل ہو جیسے مَنْ مدحک بما لیس فِیْکَ فَقَدْ رمک وان اسأتَ فستندم اوفسوف تندمُ (۶) جب کہ جزاء سے پہلے شروع میں رُبَّما یا کانّما ہو جیسے اِنْ تجئنی فربمااَجی ومن خالف احدی ' فرائض الذین فکانما خالفها جمیعاً (۷) جب کہ شروع میں حرف شرط ہو جیسے مَنْ یزرک فانْ کانَ حسنَ السیرة ِ فاکرمهٗ قدیقدر مایقتضی الربط بالفاء کالمبتدا مع المضارع وحینئذٍ ربطه بالفاء نحوان تزر نی فاکرمک بالرفع ای فانا اکرمک وکذلک تقدر (قد) مع الماضی فیربط الجواب بالفاء مع حذفها نحو انْ کانَ قمیصه قدمِنْ قبل فصدقت وقدتحذف هذه الفاء نحوان جاء صاحبها والا استمتع بها وذلک نادر. (القواعد الاساسیہ ص:۳۴۶)

مراتب معرفہ کی بابت نحویوں کا اختلاف

اس سلسلہ میں شارح رضی نے شرح وسط سے کلام کیا ہے چنانچہ سیبویہ جس پر جمہور نحات کا اتفاق ہے وہ کہتے ہیں کہ معرفوں میں سب سے زیادہ اہم معرفہ ضمائر ہیں پھر علم پھر اسماء اشارہ پھر معرف باللام پھر موصولات، متکلم اور مخاطب کا اعرف المعارف ہونا ظاہر ہے رہا غائب تو چونکہ اس میں لفظ مفسر کی ضرورت پڑتی ہے لہٰذا یہ کٹے ہوئے ہاتھ یعنی ناقص کے قائم مقام ہے اور علم اسماء اشارہ سے اخص واعرف ہوتا ہے اس لئے کہ واضع کے نزدیک علم کا مدلول ذات معینہ ومخصوصہ کے لئے جیسا کہ مستعمل ہے اس کے برخلاف اسماء اشارہ کے کہ اس کا مدلول واضع کے نزدیک ذات معینہ کے لئے تو ہے لیکن اس کی تعیین بوقت استعمال اشارۂ حسیہ کی شمولیت کے ساتھ ہوتی ہے چنانچہ بہت زیادہ مشار الیہ کا اشارہ حسیہ سے التباس ہوتا ہے اسی وجہ سے زیادہ تر اسماء اشارہ کلام عرب میں موصوف ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اسماء اشارہ اور وصف کے درمیان شدت احتیاج کے باعث تفصیل نہیں ہے اور اسماء اشارہ معرف باللام سے اعرف واخص ہے اس لئے اسماء اشارہ کا مدلول آنکھ اور قلب ایک ساتھ دونوں کے ذریعہ جانا جاتا ہے اور معرف باللام کا مدلول قلب سے پہنچانا جاتا ہے نہ کہ آنکھ سے تو چونکہ اسماء اشارہ میں آلہ معرفہ آنکھ اور قلب دونوں جمع ہیں اس لئے یہ اخص ہوگا جن میں آلۂ تعریف ایک پایا جاتا ہے اور ایک ضعف یہ بھی ہے کہ معرف باللام نکرہ کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ لئن اکلہ الذئب اسماء موصولہ معرف باللام کی طرح ہے اور بہرحال ان چاروں کی طرف مضاف ہونا اس کی تعریف مضاف الیہ کی تعریف کے برابر ہے اس لئے کہ اس کی تعریف اس سے مستفاد ومکتسب ہوتی ہے۔ مبرد نحوی کہتے ہیں کہ مضاف کی تعریف مضاف الیہ کی بہ نسبت زیادہ ناقص اور ادھورا ہے اس لئے کہ مضاف میں مضاف الیہ کی وجہ سے خصوصیت آتی ہے اسی وجہ سے مضاف ضمیر کی صفت واقع ہوتا ہے لیکن ضمیر مضاف کی صفت نہیں ہوتی چنانچہ مبرد کے نزدیک رأیت غلام الرجل الظریف جیسی مثال میں ظریف بدل ہے غلام کی صفت نہیں حالانکہ سیبویہ کے نزدیک ظریف غلام کی صفت ہے۔ اور کوفیین کا مذہب یہ ہے کہ

اعرف المعارف علم پھر ضمائر پھر اسماء موصولہ، پھر معرف باللام، اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کا مدلول بوقت وضع اول واحد معین کے لئے تھا اس کے اسم میں کوئی مماثل اسم بھی شریک نہ ہو پھر اگر چہ وضع ثانی میں مشارکت ہوگئی، ابن کیسان کہتے ہیں کہ معرفوں میں اول مرتبہ ضمائر کا ہے پھر علم پھر اسماء اشارہ پھر معرف باللام پھر اسماء موصولہ، ابن السراج کے نزدیک اعرف المعارف اسماء اشارہ ہے اس لئے کہ اس کی تعریف و تخصیص عین وقلب دونوں کے ذریعہ ہوتی ہے، پھر ضمیر پھر علم پھر معرف باللام۔ ابن مالک نحوی کہتے ہیں کہ اعرف المعارف ضمائر میں صرف ضمیر متکلم ہے پھر علم خاص یعنی جس میں مشارکت نہ ہو اور ضمیر مخاطب دونوں کا ایک ہی درجہ ہے پھر ضمیر غائب جو ابہام سے صحیح و سالم ہو اس طرح کہ اس میں مفسر کا اشتباہ نہ ہو پھر مشار الیہ منادی، پھر اسماء موصول پھر مضاف۔

(شرح رضی: ۳۱۲/۱ تا ۳۱۳، بیروت)

شارح رضی کا قول فیصل

مذکورہ بالا اختلاف بیان کرنے کے بعد علامہ رضی لکھتے ہیں کہ ترتیب معارف میں سیبویہ نحوی کا مذہب اولی اور اشہر ہے مذهب سيبويه فی ترتيب المعارف انه هو اولیٰ واشهر. (ایضاً: ۳۱۳/۱)

ابن یعیش نحوی صاحب شرح المفصل کی تقریر دلپذیر

شارح مفصل کہتے ہیں کہ اصل تعریف میں اگر چہ تمام معرفے مشترک ہیں تاہم سب میں کچھ نہ کچھ تفاوت ہے اور بعض دوسروں کی بہ نسبت اعرف ہیں چنانچہ ایک جماعت کہتی ہے کہ اعرف المعارف ضمیر پھر اسم علم پھر مبہمات پھر معرف باللام اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ مضمرات میں تعیین مراجع کیوجہ سے اس میں کوئی اشتراکیت نہیں پائی جاتی اسی وجہ سے نہ اس کی صفت لائی جاتی اور نہ ہی اس کے ذریعہ سے صفت لائی جاتی ہے اور علم میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ وہ مشترک ہوتے ہیں اور اس میں احتمالات رہتے ہیں جن کا ازالہ صفات کرتی ہیں دوسری جماعت کہتی ہے کہ اعرف المعارف اسم علم ہے پھر ضمائر پھر مبہمات

پھر معرف باللام یہی قول ابو سعید السیرافی اور کوفیین کا ہے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اصل وضع کے اعتبار سے علم میں اشتراکیت نہیں ہے اگرچہ شرکت عارضی طور پر وضع ثانی میں ہوگئی ہے لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور ضمیریں چونکہ ہر مذکور کی صلاحیت رکھتی ہے اس وجہ سے بعینہٖ وہ کسی کو مخصوص نہیں کرپاتیں اور مذکور کبھی اس کے ماقبل نکرہ ہوتا ہے لہٰذا جب بھی نکرہ ہی رہے گا اسی وجہ سے اس پر حرف "رُبَّ" داخل ہوتا ہے۔ تیسری جماعت کہتی ہے کہ اعرف المعارف مبہمات ہیں پھر ضمائر پھر علم پھر معرف باللام یہی رائے ابوبکر ابن السراج کی ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ اسم اشارہ آنکھ اور قلب دونوں کے ذریعہ تعیین کرتا ہے اس کے علاوہ دوسرے معارف صرف قلب سے تعیین کرتے ہیں اور یہ ضعیف ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے، شرح المفصل: ۸۷/۵، قاہرہ)

قاری کو جب دو حروف میں اشتباہ ہوجائے تو کیا کرے

قاری کو جب حرف یاء اور تاء میں شک ہو تو یاء کے ساتھ پڑھے اسلئے کہ قرآن مذکر ہے چنانچہ قرآن کی تمام تاء کو یاء کے ساتھ پڑھا جائے تو کوئی لحن نہیں اور اگر تاء پڑھی جائے تو لحن ہے اسی طرح مہموز اور غیر مہموز میں شک ہوجائے تو ہمزہ کو ترک کردے اسلئے کہ اگر قرآن کے تمام ہمزوں کو ساقط کردیا جائے تو کوئی لحن نہیں اور اگر غیر مہموز کو مہموز کردیا جائے تو یہ لحن ہے اسی طرح حرف وصلی یا قطعی میں شک ہوجائے تو وصل پڑھے کیونکہ قرآنی تمام مقطوع کو وصل کردیا جائے تو کوئی لحن نہیں اور وصل کو مقطوع کرنا لحن ہے اور اگر قاری حرف ممدود یا مقصور میں شک کرے تو قصر پڑھنا چاہئے کیونکہ قرآن میں تمام ممدود کو مقصور پڑھنا کوئی لحن و غلطی نہیں لیکن مقصور کو ممدود پڑھنا غلط ہے۔ ایسے ہی اگر حرف مفتوح و مکسور میں اشتباہ ہوجائے تو فتحہ کو ترجیح دے اسلئے کہ تمام مکسور کو فتحہ پڑھنا کوئی لحن نہیں لیکن مفتوح کو مکسور پڑھنا لحن ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والماب وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔ (الکنز المدفون ص: ۴۲۱)

حرف مِنْ کے نون کی حرکت

ابن یعیش نحوی متوفی ۶۴۳ھ نے اپنی گرانقدر مبسوط تصنیف شرح المفصل میں لکھا ہے کہ قاعدہ کا تقاضا ہے کہ "من" کا نون مکسور ہو جیسے کہا جاتا ہے اَخَذْتُ مِن ابنکَ ومن امرئ القیس ومن اثنین لیکن من کا مدخول معرف باللام کی صورت میں من کا نون مفتوح ہوتا ہے جیسے من الله ومن الرسول. معرف باللام میں قاعدہ وقیاس کے خلاف میں مِنْ کا نون اس لئے مفتوح ہوتا ہے کہ معرف باللام اسماء کی کثرت ہے کیونکہ عموماً نکرہ پر الف لام کا دخول ہوتا ہے۔ معرف بالام کی صورت میں اگر من کا نون مکسور ہوگا تو لگاتار کسرے کا اجتماع (ایک نون مکسور دوسرا ماقبل نون میم مکسور) لازم آئینگے جو باعث ثقل اور ناپسندیدہ ہے اس لئے اخف الحرکات فتحہ کی حرکت دی جاتی ہے۔ سیبویہ نحوی نے فصیح و بلیغ قوم سے نقل کیا ہے کہ غیر معرف باللام کی صورت میں بھی "من" کا نون مفتوح ہوتا ہے جیسے مِنَ ابنکَ (توالی کسرتین ملحوظ رکھا گیا) اور من کا مدخول معرف باللام کی صورت میں "مِنْ" کا مکسور ہوتا ہے جیسے مِن الرجل یہاں نون مکسور اصل ضابطہ کے مدنظر ہے۔ جبکہ من ابنک میں نون مفتوح قیاسی اعتبار سے شاذ ہے استعمال میں البتہ درست ہے اور من الرجل میں نون مکسور استعمال میں شاذ ہے قیاساً درست ہے۔ (شرح المفصل: ۹/۱۳۱ قاہرہ)

صاحب النحو الوافی کا قول

صاحب النحو الوافی لکھتے ہیں کہ حرف "من" کا مدخول اسم مجرور و معرف باللام ہو تو من کا نون مفتوح ہونا بیشتر مشہور ہے جیسے قد لغوف من الاداعة. مالانعرفه من الصحف وغیرها دونوں مثالوں میں من کا مدخول چونکہ معرف باللام ہے اس لئے نون مفتوح ہے۔ اور اگر من کے بعد کوئی حرف ساکن ہو تو نون مکسور ہوگا جیسے من استبداده.

عجبتُ من استهانة الانسانة بحقوق اخیه اذا کان الاسم المجرور بالحرف "من" مبدوءاً بالاداة "ال" الخ. (النحو الوافی: ۲/۴۶۶ تا ۴۶۷، بیروت)

مشابہ مبنی الاصل

مبنی الاصل مشہور تو تین ہیں (۱) فعل ماضی (۲) امر حاضر (۳) تمام حروف، مگر صاحب مفصل علامہ زمخشری کے نزدیک چار ہیں مذکورہ تین اور ایک جملہ، علامہ جار اللہ زمخشری صاحب مفصل کی تصریح کے مطابق وجوہ مشابہ مبنی الاصل علی الاستقراء سات ہیں۔ اول یہ کہ اسم مبنی الاصل کے معنی کو متضمن ہو جیسے اَیْنَ ہمزہ حرف استفہام کے معنی کو متضمن ہے۔ دوم اسم اپنے معنی پر دلالت کرنے میں قرینہ کا محتاج ہو جیسے اسماء اشارات، مضمرات، موصولات اپنے معنی پر دلالت کرنے میں قرینہ اشارۂ حسیہ اور صلہ کے محتاج ہیں جو مشابہ حرف ہیں۔ سوم اسم مبنیامر کے موقع میں واقع ہو جیسے نزال اور تراک اسم فعل اِنْزِلْ اور اُتْرُکْ امر حاضر کے موقع میں واقع ہوتا ہے۔ چہارم کوئی اسم ہم شکل اس اسم کے ہو جو مبنی اصل کے موقع میں واقع ہوتا ہے جیسے حَمَارِ وَطَمَارِ کہ نَزَالِ اور تَرَاکِ کے ہم شکل اور ہم وزن ہے اور نزال انزل مبنی اصل کے مواقع میں واقع ہوتا ہے، پنجم کوئی اسم موقع میں اس اسم کے واقع ہو جو مبنی اصل کے مشابہ ہے جیسے منادیٰ مضموم یازیدُ یارجلُ میں کہ وہ موقع میں کاف خطاب ادعوک کے واقع ہے اور کاف خطاب اسمیہ کاف حرفیہ کے مشابہ ہے۔ ششم وہ اسم جو مبنی اصل کی طرف مضاف ہو خواہ مضاف بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ جیسے یَوْمَئِذٍ کہ اصل میں یَوْمَ اِذْ کَانَ کَذا تھا اس میں یومَ بفتح المیم بواسطہ اذ جملہ کان کذا کی طرف مضاف ہے جو کہ مبنی ہے چونکہ جملہ زمخشری کے نزدیک مبنی اصل ہے۔ ہفتم وہ اسم جو تین حرف سے کم ہو جیسے ذا، من اسم موصول وغیرہ فما صرّح صاحب المفصل وھو انّ الخ۔ (تحریر سنبٹ ص:۱۹۰، مصباح ص:۱۸۵)

حرکات ثلثہ والے کلمات

﴿الْغُمْر﴾ بالفتح الماء الكثير. وبالكسر الحقد وبالضم الرجل الجاهل
﴿السلام:﴾ بالفتح التحية وبالكسر الحجارة السود بالضم عروق بظاهر الكف.
﴿الكلام:﴾ بالفتح النطق وبالكسر الجراح وبالضم الارض الصلبة ﴿الحرة:﴾ بالفتح ارض ذات رمل وحصى وبالكسر شدة العطش وبالضم العفيفة من النساء

﴿الحلم:﴾ بالفتح الفساد وبالكسراحتمال الاذى وبالضم مايراه النائم.
﴿السبت:﴾ بالفتح اليوم المعروف من الجمعة وبالكسر الجلدمن الدخال السبتيه وبالضم نباتُ يشبه الخطمى. ﴿السهام:﴾بالفتح شديد الحروبالكسر النبال وبالضم لعاب الشمس ﴿الدعوة:﴾بالفتح مصدر دعا يدعوا وبالكسر الادعاء فى النسب وبالضم الوليمة ﴿الشرب﴾ بالفتح جماعة على النبيذ وبالكسر النصيب من الماء وبالضم مصدرمعروف﴿الخرق:﴾بالفتح الطريق وبالكسرالرجل الكيس وبالضم الجهل. ﴿اللحاء:﴾بالفتح العدل وبالكسر قشر الخشب وبالضم جمع لحية.
﴿الشكل﴾: بالفتح الهيئة وبالكسر العجب وبالضم جمع شكال. ﴿الصرة﴾ بالفتح الجماعة وبالكسرالبرودة وبالضم مايربط فيه الشى﴿الكلأ:﴾بالفتح الحشيش وبالكسر الحراسة وبالضم جمع كلية. ﴿القسط:﴾ بالفتح الجور وبالكسر العدل وبالضم نوع من البخور. ﴿العرف﴾بالفتح الرائحه وبالكسرالعدل وبالضم المعروف. ﴿الجدّ﴾بالفتح ابوالاب وبالكسرضدالهزل وبالضم البئر القديمة ﴿الجوار:﴾بالفتح جمع جارية وبالكسر مجاورة وبالضم الصوت العالى﴿ الامة:﴾ بالفتح القصد وبالكسر النعمة وبالضم جماعة الرجال.الحمام بالفتح الطير المعروف وبالكسر الموت وبالضم رجل من العرب.﴿اللمة﴾بالفتح الشدة وبالكسر الشعر المجاوز شحمة الاذن وبالضم الصاحب والاصحاب فى السفر المؤنس للواحد والجمع ﴿المسک﴾ بالفتح الجلد وبالكسر الطيب المعروف وبالضم مايمسکُ الرمق ﴿الحجر:﴾ بالفتح وسط القميص من قدام وبالكسر الفعل وبالضم الكوكب المنقض ﴿الرقاق:﴾بالفتح الرمال المتصلة وبالكسر القافلة فى السير وبالضم الخبز الرفق ﴿القمة:﴾ بالفتح فضلة الاسد وبالكسر قمة الجبل طرفه وبالضم كناسة البيت.﴿الصل:﴾بالفتح صلصلة الحديد وبالكسر الحية المعروفة وبالضم الطعام المسموم ﴿الطلا:﴾بالفتح الغزال وبالكسر الخمر وبالضم المرأة المليحة القامة والعنق.﴿عمرت﴾ بالفتح كثرت سكانها وبالكسر طال عمرها وبالضم عمارة المنازل،﴿الظلم:﴾ بالفتح بريق الاسنان وشدة بياضها وبالكسرذكرالنعام وبالضم ضدالعدل.﴿القطر:﴾بالفتح المطر وبالكسر النحاس المذاب وبالضم العود اذا سجرته.﴿لق:﴾بالفتح ماطرح وبالكسر الاجتماع

وبالضم الفالوذج ﴿منة:﴾بالفتح اللحية الصفراء وبالكسر المن بالاحسان وبالضم القوة ﴿القرء﴾ بالفتح الطهر وبالكسر الضيافة وبالضم جمع قرية ﴿الرشاء:﴾ بالفتح ولدالغزال وبالكسر الحبل وبالضم البرطيل.﴿الزجاج:﴾ بالفتح القرنفل وبالكسر جمع زج وبالضم القواريرالمعروفه﴿اللهرة:﴾بالفتح جلدة معلقة بالحنک وبالکسرالعطیه وبالضم الحفنة.﴿الكرىٰ:﴾بالفتح النوم وبالكسر الاجرة وبالضم جمع كرة.﴿الرمة:﴾ بالفتح الاصلاح وبالكسر تقطيع الشئى وتفصيله وبالضم الحبل.﴿البر:﴾بالفتح الرجل المحسن وبالكسر الاحسان وبالضم القمح ﴿الثلة:﴾ بالفتح معروف وبالكسر العصفور وبالضم السوار﴿الخلة:﴾بالفتح الحاجة وبالكسر الخلال وبالضم الخصال.﴿الحق﴾بالفتح ضدالباطل وبالكسر ماكان الابل عمر ہ اربع سنين وبالضم مايعمل من الخشب﴿الحب:﴾ بالفتح جمع حبة وبالكسر المعشوق وبالضم العشق﴿العقار:﴾بالفتح الملک الثابت وبالكسر جمع عقير وهو الجريح وبالضم من اسماء الخمر. ﴿الجنة:﴾ بالفتح معروفة وهی مااَعدّها اللّٰهُ تعالیٰ للمتقين وبالكسر الجنون وبالضم الدرقة. ﴿العرس:﴾بالفتح بيت الاسدوبالكسر الزوجة وبالضم الوليمة﴿اللجة:﴾بالفتح لجب وصياح وبالكسرمن اللجاجة وبالضم وسط البحر.﴿الوقر:﴾بالفتح الصمم وبالكسر الحمل الثقيل وبالضم الوقار.﴿الخط﴾.بالفتح الكتابة وبالكسر الطريق وبالضم النصيب.﴿الخلف:﴾ بالفتح قوم باقون بعد قوم ماضين وبالكسر قرين من الناس وبالضم عدم الايفاء ﴿الخرص:﴾ بالفتح الحزر وبالكسر المحال الذى مايصح منه شئى وبالضم الحلقة.﴿ الحبن﴾بالفتح شجرة الدفلى وبالكسر القرد وبالضم جمع حبناء وهي الضخمة البطن.﴿الذبح﴾بالفتح قطع الوريدين وبالكسر الشئى المذبوح وبالضم نبات مسموم من رعاه يموت.﴿الربع﴾بالفتح .الداروبالكسر الماء القليل. وبالضم مايكال به﴿الرسل:﴾بالفتح: الخفيف من الابل وبالكسر اليسيرمن لبن الابل، وبالضم معروف ﴿النعمه:﴾بالفتح الهيئة من النعيم وبالكسر للمرة من الاحسان وبالضم المسرة.﴿فقه﴾ بالفتح اذا اسبق غيره بالفهم وبالضم اذا صار الفقه له مسجيه وبالكسر اذا فهم خاصة. (الكنز المدفون ص:۳۰۲ تا ۳۰۵،فيصل آباد)

دوحرکت والے کلمات

﴿وهل﴾بالفتح: غلط وبالكسر جزع ﴿الجهد:﴾بالفتح المبالغة والغاية وبالضم الوسع والطاقة.﴿البكر:﴾بالكسر العذراء التی لم تفتضى. وبالفتح الفتىٰ من الابل.﴿العالم﴾ بالفتح: جميع الخلق وبالكسر المتفقه فی العلوم. ﴿الحبر﴾ بالفتح العالم وبالكسر المداد.﴿الصدق:﴾بالفتح الصلب،وبالكسر خلاف الكذب ﴿السرب﴾بالفتح: الطريق وبالكسر النفس، امن فی سربہٖ ای فی نفسه ﴿الجزع:﴾ بالفتح الخرز اليمانی وبالكسر جانب الوادی. ﴿الشف﴾بالفتح: السترالرقيق، وبالكسر الفضل.﴿الحمل﴾بالفتح: وهوحمل المرأة وهوجنينها الذی فی بطنها وبالكسر ماكانَ علىٰ ظهر الانسان والدابة من الوقر.﴿العلم﴾ بالفتح:حجارة يجعل بعضها علىٰ بعض فی المفازة والطريق يهتدی بها وبالكسرالفقه وما اشبه: ﴿العلاقة﴾ بالفتح: الحب وبالكسرعلاقة السوط والميزان وما اشبههما. ﴿الحمالة﴾ بالفتح: مالزمک من غرم دية وبالكسرسيرالسيف الذی يحمل به ويتقلد.﴿الامارة﴾بالفتح:العلامة، وبالكسر الولاية.﴿الثقال﴾بالفتح:البعير البطئى فی العير وبالكسر كساء ثخين يوضع تحت العجين ﴿الخطبة﴾ بالكسر: المصدر من خطبت المرأة وبالضم اسم المخطوب بہٖ علىٰ المنبر. ﴿فواق﴾بالفتح: الراحة، وبالضم: مقدار مابين الحبلتين.﴿العوج﴾ بالكسر: فيما لايرىٰ مثل الذ ين والرای والكلام، وبالفتح فيما يرى مثل الرمح والعصاوماشبهه ﴿هوى﴾ بالضم اذا سقط الىٰ أسفل وهوى بالكسر: يهوى هوى اذا أحب. ﴿سواء﴾ بالكسر: بمعنى غير وبالفتح الوسط. الهجر بالضم : الكلام الفاحش، وبالفتح الهذيان.﴿الجنازة﴾ بالفتح: النعش وبالكسر الميت ﴿الثمر﴾بالضم: المال،وبالفتح جمع ثمرة ﴿الهناء﴾بالفتح:الفرح والسرور. وبالكسر القطران، ﴿السمر﴾بفتح الميم: الحديث ليلاً وباسكان الميم ضوء القمر . (ایضاً ص:۳۰۵ تا ۳۰٦ فیصل آباد)

اصطلاحات مفیدہ

نحوی

جو علم میں مہارت تامہ کے ساتھ اس فن میں امامت کی حیثیت رکھتا ہو اس کو نحوی کہتے ہیں اس کی جمع نحاۃ اور نحویون آتی ہے۔ (مؤلف)

صرفی

جو فن صرف میں قائد اعظم کی حیثیت رکھتا ہو اس کی جمع صرفیون آتی ہے۔

منصوب بنزع خافض

خافض حرف جار کو کہتے ہیں اور نزع کے معنی اکھیڑنے اور ہٹانے کے آتے ہیں یعنی عامل جر کو حذف کر دینا اور اس جر کے تبادلے میں فتحہ دینا ثقیل سے خفیف بنانے کے لئے اس کو منصوب بنزع الخافض کہتے ہیں حروف جار میں سے کوئی حرف جر متعین نہیں ہے کبھی فی حرف جر کے حذف کے ساتھ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول لانخلفه نحن ولاانت مکاناً سوی ای فی مکان پارہ:۱۶/وسنعیدها سیرتها الاولیٰ ای فی سیرتها پارہ:۱۶

(المصباح مع الاضافہ ص:۱۰۱)

اعراب حکائی

کسی کلمہ کا ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل کرنا اس کے ماقبل کی حالت اور صورت کی بقاء کے ساتھ یعنی دوسرے عامل کے باوجود ماقبل یا مابعد کے مطابق اعراب کا ہونا اعراب حکائی کہلاتا ہے جیسے صُرِفَ اَرْبَعِ فِیْ مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ اَرْبَعٍ میں اول اربع مبنی للمفعول کی بناء پر مضموم کا مقتضی ہے مگر چونکہ علامہ ابن حاجب نے بنسوةٍ اربعٍ کو ملحوظ رکھتے ہوئے من وعن بیان کر دیا اس لئے یہ اعراب حکائی کہلائے گا اِتْیانُ اللفظ علیٰ ماکان علیه مِنْ قبل (التعریفات ص:۸۷)

لف ونشر مرتب

اس کے لغوی معنی ہیں ترتیب سے لپیٹنا اور پھیلانا یعنی کسی دو شئی یا اس سے زائد چیزوں کو اجمالی ترتیب کے مطابق تفصیل کرنے کا نام لف ونشر مرتب ہے جیسا کہ علامہ ابن حاجبؒ نے اجمالاً وَھِیَ اسمٌ وفعلٌ وحرفٌ کہا پھر جب اس کی تفصیل بیان کرنے لگے تو اسی کے مطابق پہلے اسم پھر فعل اور حرف کو موضوع بحث بنایا اسی طرح فرمان خداوندی وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ پارہ: اور اگر تفصیل اجمال کے خلاف ہو تو یہ لف ونشر غیر مرتب کہلاتا ہے جیسے يَمْنَعُ الصَّلٰوةَ والصَّوْمَ وَيَقْضِيْ هُوْلاَ هِيَ. اللف والنشر هو ان تلف شيئين ثم تاتى بتفسير ها الخ.

(التعریفات ص:۱۸۹، کشاف:۲/۱۳۰۱)

دفع دخل مقدر

لغوی معنی دخل مقدر کا دفع کرنا، اصطلاح میں کہتے ہیں سوال لفظوں میں موجود نہ ہو بلکہ مقدر ہو اور جواب موجود ہو اس کا دوسرا نام سوال مقدر کا جواب ہے اس کو صاحب فوائد ضیائیہ نے طبعاً اختیار کیا ہے۔

(محمد ہارون ثاقبؔ القاسمی)

اضمار قبل الذکر

اس کے لغوی معنی ہیں تذکرہ سے پہلے ضمیر کا لانا یعنی مرجع سے پہلے ضمیر کا لانا یہ اصطلاح میں اضمار قبل الذکر کہلاتا ہے اور یہ چیز ممنوع ہے جیسے ضَرَبَ غلامہٗ زیداً میر سید شریف جرجانی کتاب التعریفات میں رقم طراز ہیں کہ اضمار قبل الذکر صرف پانچ مقامات میں جائز ہے اول ضمیر الشان میں جیسے ھو زید قائم دوم رُبَّ کی ضمیر میں جیسے ربه رجلا سوم نعم کی ضمیر مقدر میں جیسے نعم رجلاً زیدٌ چہارم تنازع فعلان میں جیسے ضربني واكرمني زيد پنجم مظہر بدل مضمر میں جیسے ضربتهٗ زید

(التعریفات ص:۲۵)

تضمین

تضمین کی تعریف مصطلحین میں الگ الگ ہیں یہاں پر تضمین سے مراد یہ ہے کہ کسی فعل کو ایسے فعل سے بدلنا جس کا صلہ درست ہو جائے جیسا کہ شرح تہذیب کی عبارت "یَتَذَکَّرُ مِنْ ذَوِی الْإِفْهَامِ" میں تضمین اس طرح ہوئی کہ یتذکر کو واحد کے معنی میں لے لیا گیا جس کا صلہ من لانا درست ہو گیا۔

حال مترادف

حال مترادف اس کو کہتے ہیں جس کا ذوالحال ایک ہو اور حال کئی ہوں جیسے هدیٰ بالاهتداء اس کا ذوالحال ارسلهٗ میں ہٗ ضمیر ہے۔ (شرح تہذیب)

حال متداخلین

حال متداخلین اس کو کہتے ہیں کہ ذوالحال ایک ہو اس کے بعد حال ہو پھر وہی حال ذوالحال واقع ہو رہا ہو جس طرح کہ مضاف الیہ مضاف ہوا کرتا ہے۔

براعتِ استہلال

براعت کے لغوی معنی فائق ہونا اور استہلال کہتے ہیں ولادت کے وقت بچے کی آواز کو، مگر اصطلاح میں براعت استہلال اس کو کہتے ہیں کہ مصنف اصل کتاب کو شروع کرنے سے پہلے خطبہ ودیباچہ میں ایسے الفاظ کا استعمال کرے جو مقصود کتاب اور اس فن کی طرف غماز ہو جیسے صاحب سلم العلوم نے اپنے خطبہ میں کہا ہے لایحد ولایتصور ولاینتج ولایتغیر تعالیٰ عن الجنس والجهات جعل الکلیات والجزئیات ان الفاظ سے فن منطق کی طرف اشارہ ملتا ہے کیونکہ جنس اور کلی وجزئی یہ سب منطق کی اصطلاحات میں سے ہیں اسی طرح صاحب زبدہ نے کہا ہے الذی الغامه صحیح علیٰ العباد غیر معتل بعلل طاعات العباد الخ. هی ان یشیر المصنف فی ابتداء تالیفه الخ.

(زبدہ ص:۲۷، التعریفات ص:۴۱، کشاف:۱/۱۳۵)

جامع ومانع

مانع اس کو کہتے ہیں کہ اپنے معینہ افراد میں دوسرے فرد کو داخل ہونے کے روکے اور جامع کہتے ہیں کہ اپنے افراد میں سے کوئی فرد نہ نکل رہا ہو بلکہ اپنے تمام افراد کا احاطہ کئے ہوئے ہو جیسے کسی نے اسم کی تعریف پر اعتراض کیا ہے کہ اسم کی تعریف اسماء افعال سے جامع نہیں کیونکہ یہ مقترن بالزمان ہے اور اسم میں اس کی نفی ہے اسی طرح افعال مقاربہ سے مانع نہیں کیونکہ یہ فعل کی تعریف میں شامل ہو رہے ہیں اس لئے کہ اس میں بھی زمانہ نہیں پایا جاتا ہے جب کہ یہ فعل ہے۔ (ثاقب)

مانعۃ الجمع

وہ قضیہ منفصلہ ہے جس کے مقدم اور تالی ایک دم سے ایک شئی کے اندر موجود تو نہ ہو سکیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شئی ایسی ہو کہ اس میں مقدم اور تالی دونوں نہ ہوں جیسے کتاب منطق میں ہے یا ادب میں تو دیکھئے ایک ہی کتاب منطق اور ادب میں نہیں ہو سکتی ہاں یہ ممکن ہے کہ کتاب نہ منطق میں ہو نہ ادب میں بلکہ فن نحو میں ہو جیسے کافیہ۔

(کشاف: ۲/۱۳۳۵ مع اضافہ)

مانعۃ الخلو

وہ قضیہ منفصلہ ہے جس کے مقدم اور تالی ایک دم سے ایک شئی سے علیحدہ تو نہ ہو سکیں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ مقدم اور تالی ایک شئی کے اندر جمع ہو جاویں جیسے زید پانی میں ہے ڈوبنے والا نہیں، یہ دونوں باتیں ایک دم علیحدہ نہیں ہو سکتیں کہ زید پانی میں نہ ہو اور ڈوب جائے ہاں یہ دونوں جمع ہو سکتی ہیں کہ زید پانی میں ہو اور ڈوبے نہیں بلکہ تیر تا رہے۔ (ایضاً)

قرآنی مشکل صیغوں کی تحقیق

سوال: جناب عَمَّ یَتَسَاءَلُونَ پارہ: ۳۰ میں عَمَّ کس باب کا فعل ماضی ہے؟

جواب: برادر عَمَّ کوئی فعل نہیں ہے بلکہ وہ عن حرف جار اور ما استفہامیہ سے مرکب ہے اور قاعدہ ہے کہ جب حرف جار ما پر آجائے تو اس کے الف کو حذف کر دیتے ہیں لہٰذا اس میں عن کے نون کو میم کر کے میم میں ادغام کر دیا گیا اور الف کو حسب قاعدہ حذف کر دیا۔ (اعراب القرآن: ۲۱۴/۱۵ـ اضافات ص: ۵۳)

سوال: فَاتَّقُوْنُ (پارہ: ۱) کونسا صیغہ اور کس باب سے ہے؟

جواب: باب افتعال سے امر حاضر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اِتَّقُوْا کا ہمزہ وصل فاء کلمہ پر داخل ہونے کی وجہ سے گر گیا اصل میں فَاتَّقُوْنِیْ تھا یاء متکلم کو حذف کر کے نون وقایہ کے کسرہ پر اکتفاء کر لیا گیا پھر وہ کسرہ وقف کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔

سوال: فَارْهَبُوْن (پارہ: ۱) اس کی صرفی تحقیق بتائیے؟

جواب: محترم اس کی تحقیق فَاتَّقُوْن ہی کی طرح ہے فرق یہ ہے کہ یہ باب فتح یفتح سے ہفت اقسام میں سے صحیح ہے۔

سوال: فَدَّارَأْتُمْ (پارہ: ۱) یہ کیا چیز ہے؟

جواب: باب افاعل سے صیغہ جمع مذکر حاضر ماضی معروف مہموز اللام ہے اِدَّا رَأْتُمْ تھا فا آنے کی وجہ سے ہمزہ وصل ساقط ہو گیا۔

سوال: لَنْفَضُّوْا (پارہ: ۳) یہ کون سا صیغہ ہے؟

جواب: باب انفعال سے صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف مضاعف اس پر لام تاکید داخل ہونے کی وجہ سے ہمزہ وصل گر گیا، اصل میں لَاَنْفَضُّوْا تھا۔

سوال: اَسْتَغْفَرْتَ (پارہ: ۲۸) یہ کس باب کا صیغہ ہے؟

جواب: عزیزم یہ باب استفعال سے صیغہ ماضی ہے اصل میں اَاِسْتَغْفَرْتَ تھا ہمزہ استفہام آنے کی بناء پر ہمزہ وصل گر گیا اور ہمزہ وصل کی جگہ ہمزہ مفتوحہ آنے کی وجہ سے یہ اشکال تمہیں ہوا۔

سوال: تَظَاهَرُوْنَ (پارہ:۱) کیا یہ ماضی کا صیغہ ہے؟

جواب: برادرعزیز یہ باب تفاعل سے صیغہ جمع مذکر حاضر مضارع معروف ہے تم قاعدہ پڑھ چکے ہو کہ باب تفعل اور باب تفاعل کے دو تاء میں سے ایک تاء کو حذف کر دیتے ہیں۔

سوال: لِتُكْمِلُوْا (پارہ:۲) میں لام امر کیسے آ گیا جب کہ فعل امر حاضر معروف ہے؟

جواب: باب افعال سے صیغہ جمع مذکر حاضر فعل مضارع معروف اور ہفت اقسام میں صحیح ہے اور وہ لام کی ہے جس کے بعد اَنْ مقدر ہوتا ہے اس کی وجہ سے نون اعرابی ساقط ہو گیا۔

سوال: وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ اُخْرىٰ (پارہ:۵) میں وَلْتَأْتِ کون سا صیغہ ہے؟

جواب: باب ضرب سے صیغہ واحد مؤنث امر غائب معروف مہموز فاء و ناقص یائی ہے اس کی اصل لِتَأْتِیْ ہے واؤ داخل ہونے کی وجہ سے لام امر مکسور ساکن ہو گیا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ لام امر واؤ کے بعد وجوبًا اور فاء کے بعد جوازًا ساکن ہو جاتا ہے اور آخر کی یاء لام امر جازم کے باعث ساقط ہو گئی۔

سوال: وَيَتَّقْهِ (پارہ:۱۸) یہ کیا چیز ہے؟

جواب: بابِ افتعال سے صیغہ واحد مذکر غائب مضارع معروف ناقص ہے اصل میں يَتَّقِیْ تھا ماقبل پر عطف و جواب شرط کے باعث جزم سے یاء ساقط ہو گئی کیونکہ معطوف علیہ یعنی شرط مَنْ کی وجہ سے مجزوم ہے ماقبل کا صیغہ یوں ہے وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ ورسولهٗ ويخش اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ تینوں مجزوم ہیں جزم کی بناء پر آخری دو میں حرفِ علت گر گیا اور اس کے مابعد کے ساتھ اجتماع ساکنین لازم آنے کی بناء پر يُطِعْ لام کلمہ ساکن کو کسرہ دیدیا گیا اور يَتَّقِهِ میں حذف یاء کے بعد ضمیر مفعول لاحق ہونے کی وجہ سے وزن فَعِلْ کی صورت پیدا ہو گئی اس لئے قاف کو ساکن کیا يَتَّقْهِ ہوا۔

سوال: قَالُوْا اَرْجِهْ (پارہ:۹) میں اَرْجِهْ غلط معلوم ہو رہا ہے؟

جواب: عزیزم یہ تمہاری کم فہمی ہے یہ باب افعال سے صیغہ واحد مذکر امر حاضر معروف ناقص ہے مفعول کی ضمیر واحد مذکر غائب لگنے سے اَرْجِهْ ہو گیا چونکہ قرآن مجید میں

اس کے بعد وَ اَخَاہٗ واقع ہے اس لئے جِہٖ وَ سے صورۃً وزنِ فِعِل مثل اِبِل پیدا ہو گیا اور عربوں کا قاعدہ ہے کہ اس وزن میں بھی وسط کو ساکن کر دیتے ہیں اس لئے ہاء کو ساکن کیا اَرْجِہ واَخَاہٗ ہو گیا۔

سوال: عَصَوْا (پارہ:۱) یہ کس کا صیغہ ہے؟

جواب: برادر یہ رَمَوْا کی طرح صیغہ جمع مذکر غائب ماضی معروف کا صیغہ ہے بِمَا عَصَوا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ میں عَصَوْا کے بعد واؤ عاطفہ آگیا اور قاعدہ ہے کہ واؤ غیر مدہ کا ادغام واؤ عطف میں ہو جاتا ہے۔ لہٰذا عَصَوا وَّ کَانُوْا ہو گیا۔

سوال: ونرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ علی الّذین (پارہ:۲۰) میں نَمُنَّ کون سا صیغہ ہے۔

جواب: باب نَصَر سے نمدّ کی طرح صیغہ متکلم مع الغیر مضارع معروف مضاعف ہے اَنْ کی وجہ سے منصوب ہے اور اَنْ کا نون متکلم کے نون میں مدغم ہو گیا ہے۔

سوال: لُمْتُنَّنِیْ (پارہ:۱۲) یہ کون سا صیغہ ہے؟

جواب: باب نَصَر سے لُمْتُنَّ قُلْتُنَّ کی طرح جمع مؤنث حاضر معروف اجوف ہے اس کے آخر میں نون وقایہ اور یائے متکلم لگنے سے لُمْتُنَّنِی ہو گیا۔

سوال: فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ (پارہ:۱۶) میں تَرَیِنَّ کیا چیز ہے؟

جواب: برادر یہ باب فتح سے صیغہ واحد مؤنث حاضر مضارع معروف با نون ثقیلہ مہموز عین اور ناقص ہے اور یہ اصل میں تَرَیْنَ تھا نون ثقیلہ کی وجہ سے کسرہ دیدیا تَرَیِنَّ ہو گیا اور جس طرح مضارع مثبت کے آخر میں نون تاکید لام تاکید کے بعد آتا ہے اور اسی طرح اِمَّا شرطیہ کے بعد بھی آتا ہے اسی قبیل سے اِمَّا تَرَیِنَّ ہے۔

سوال: اَلَمْ تَرَ کَیْفَ (پارہ:۳۰) میں تَرَ کون سا صیغہ ہے؟

جواب: محترم وہ حرف نہیں ہے بلکہ باب فتح سے واحد مذکر حاضر نفی جحد بلم در فعل مضارع معروف ہے اس کی اصل تَرٰی ہے لَمْ جازم کی وجہ سے حرف علت گر گیا تَرَ رہا آپ قاعدہ پڑھ چکے ہیں۔

سوال: استاد محترم اِنِّی لِعَمَلِکُمْ مِنَ الْقَالِیْنَ (پارہ:۱۹) قرآن میں قالین فرش کا تذکرہ کیسے آگیا جب کہ یہ اردو ہے؟

جواب: عزیزم یہ اردو کا لفظ نہیں ہے بلکہ عربی ہے اور یہ باب ضرب سے صیغہ جمع مذکر اسم فاعل ناقص ہے اس میں دَامِیْنَ والی تعلیل ہوئی ہے۔

سوال: وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّ (پارہ:۱۲) میں اَشُدَّ کیا چیز ہے؟

جواب: اَشُدَّ یہ شدت بمعنی قوت کی جمع قلت بروزن اَفْعُلُ ہے یَمُدُّ کے قاعدے سے اَشُدَّ ہوا اور مفعول بہ واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہو گیا اور چونکہ یہ مضاف ہے اس لئے تنوین ساقط ہو گئی، القاموس لغت میں یہ بھی لکھا ہے کہ شَدٌّ بمعنی قوت کی جمع ہے اس صورت میں تعلیل کی ضرورت نہیں اور یہی اَولیٰ ہے۔

سوال: لَمْ یَکُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ (پارہ:۲۴) دو حرف کا فعل واقع ہوا ہے حالانکہ کم از کم تین حرف ہونا چاہئے؟

جواب: لَمْ یَکُ اصل میں لَمْ یَكُوْنُ نصر سے فعل مضارع ناقص تھا مگر چونکہ قاعدہ ہے کہ فعل ناقص کا آخری نون بوقت جازم جائز الحذف ہے اس لئے نون کو حذف کر دیا گیا اور واؤ حرف علت بھی لَمْ کی وجہ سے ساقط ہو گیا لَمْ یَکُ رہا یہی تعلیل لَمْ اَکُ سورہ مریم رکوع ۲ر اور لَمْ نَکُ سورۃ مدثر رکوع ۲ر اور اِنْ یَکُ سورہ مومن رکوع ۴ر میں ہوئی ہے اس لئے علیحدہ بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

سوال: اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْ (پارہ:۱۱) میں یَهِدِّیْ کیا چیز ہے؟

جواب: برادر عزیز یہ باب افتعال سے صیغہ واحد مذکر غائب مضارع معروف ناقص ہے اصل میں یَهْتَدِیْ تھا چونکہ افتعال کا عین کلمہ دال تھا اس لئے تاء کو دال سے بدل کر دال میں ادغام کیا اور فاء یعنی ہاء کو کسرہ دیدیا یَهِدِّیْ ہوا فاء کا فتحہ بھی جائز ہے اس لئے یَهَدِّیْ بھی کہہ سکتے ہیں۔

سوال: تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ یَخِصِّمُوْنَ (پارہ:۲۳) میں یَخِصِّمُوْنَ کیا باب تفعیل سے ہے؟

جواب: ارے بھائی یہ باب افتعال سے ہے اصل میں یَخْتَصِمُوْنَ تھا افتعال کے عین کلمہ کی جگہ صاد ہونے کے باعث افتعال کے تا کو صاد سے بدل کر صاد میں ادغام کر دیا۔

سوال: نجامنهما وَادَّکَرَ (پارہ:۱۲) میں وَدَّکَرَ کیا ہے؟

جواب: اصل میں اِذْتَکَرَ تھا افتعال کا فاء کلمہ دال ہونے کے باعث تاء کو دال سے بدلا اور اول ذال کو دال سے بدل کر دال میں ادغام کر دیا اور ہمزہ وصل واؤ کے لاحق ہونے کی وجہ سے تلفظاً گر گیا۔

سوال: فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (پارہ:۲۷) مُدَّکِرٌ کیا چیز ہے؟

جواب: باب افتعال سے صیغہ اسم فاعل ہے اور اصل میں مُذْدَكِرٌ تھا ذال کو دال کیا اور دال میں ادغام کر دیا۔

سوال: كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ (پارہ:۲۹) تَدَّعُوْنَ کس کا صیغہ ہے؟

جواب: باب افتعال سے ناقص واوی صیغہ جمع مذکر حاضر مضارع معروف ہے اصل میں تَدْتَعِيُوْنَ تھا فاء کلمہ دال ہونے کی وجہ سے تاء دال ہو کر دال میں مدغم ہو گئی اور یاء بقاعدہ ترمون حذف ہو گئی۔

سوال: مَافِيْهِ مُزْدَجَرٌ (پارہ:۲۷) میں مُزْدَجَرٌ ہفت اقسام کے اعتبار سے کیا ہے؟

جواب: یہ باب افتعال سے مصدر میمی اور صحیح ہے اصل میں مُزْتَجَر تھا افتعال کا فاء کلمہ زاء ہونے کی بناء پر تاء دال سے بدل گئی اور وزن کے اعتبار سے صیغہ مفعول وظرف بھی ہو سکتا ہے۔

سوال: فَمَنِضْطُرَّ (پارہ:۲) کس باب کا صیغہ ہے؟

جواب: باب افتعال سے صیغہ واحد مذکر غائب ماضی مجہول مضاعف ہے صاد کی وجہ سے افتعال کی تاء طاء سے بدل گئی اور ہمزہ وصل درمیان میں آنے کی وجہ سے گر گیا اور فَمَنْ کا نون ساکن بقاعدہ اِذا حُرِّکَ حرک بالکسر مکسور ہو گیا۔

سوال: مَضْطُرِرْ تُمْ (پارہ:۸) ہفت اقسام کے لحاظ سے کیا ہے؟

جواب: قرآن کریم میں اِلَّا مَضْطُرِرْ تُمْ اِلَيْهِ ہے، اُضْطُرِرْتُمْ باب افتعال سے صیغہ جمع مذکر حاضر ماضی مجہول ومضاعف ہے ہمزہ وصل درمیان میں آنے کے باعث گر گیا اور ما کا الف اجتماع ساکنین کی وجہ سے گرا اور افتعال کی تاء ضاد کی وجہ سے طاء سے بدل گئی۔

سوال: فَمَسْطَاعُوْا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ (پارہ:۱۶) میں فمسطاعوا کس باب سے ہے؟

جواب: یہ باب استفعال سے صیغہ جمع مذکر غائب ماضی منفی معروف اجوف واوی ہے استفعال کی تاء حذف کردی گئی اور ہمزہ وصل درمیان میں ہونے کے باعث اور ما کا الف اجتماع ساکنین کی وجہ سے گرگیا۔

سوال: مالَمْ تَسْطِعْ (پارہ:۱۶) میں تَسْطِعْ کیا ہے؟

جواب: اصل میں لَمْ تَسْتَطِعْ تھا اس کی تعلیل وہی ہے جو فمسطاعوا کی ہے۔

سوال: مُضِیاً وَّ لایَرْجِعُوْنَ (پارہ:۲۲) میں مُضِیاً کس کا صیغہ ہے۔

جواب: عزیزم یہ مضی یمضی کا مصدر ناقص ہے اصل میں مَضُوْ یاتھا بقاعدہ مَرْمِیٌ تعلیل ہوئی ہے۔

سوال: وَعِصِیُّهُمْ (پارہ:۱۹) کیا ہے؟

جواب: عِصِیٌّ عصا کی جمع ہے اصل میں عَصُوْوٌ تھا دِلِیٌّ کے قاعدہ سے دونوں واؤیاء سے بدل کر ماقبل کے ضمے کسرہ سے بدل گئے۔

سوال: لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ (پارہ:۳۰) میں لنسفعاً کونسا صیغہ ہے؟

جواب: برادر لَنَسْفَعَنْ لَنَفْعَلَنْ کے وزن پر صیغہ متکلم مع الغیر لام تاکید بانون خفیفہ ہے کبھی نون خفیفہ کو تنوین کی صورت میں لکھتے ہیں۔

سوال: مَاکُنَّا نَبْغِ (پارہ:۱۵) میں نَبْغِ کیا ہے؟

جواب: نبغ اصل میں نبغی نرمی کی طرح ہے چونکہ حالت وقف میں ناقص کے آخر سے حرف علت کا حذف جائز ہے اور مطلقاً عرب کا محاورہ ہے کہ بغیر جزم ووقف کے بھی یدعو یرمی کو یدع یرم کہتے ہیں۔

سوال: فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ (پارہ:۴) کون سا صیغہ ہے؟

جواب: باب فتح سے جمع مذکر حاضر بروزن فَعَلْتُمْ ہے اس کے شروع میں فاء تعقیب اور قد تحقیق کا آگیا ہے اور جب مفعول کی ضمیر ہاء اس کے آخر میں لاحق ہوئی تو تُمْ

پرواؤ زائد کردیا گیا کیونکہ قاعدہ ہے کہ کُمْ هُمْ تُمْ کے بعد جب کوئی ضمیر لاحق ہو جائے تو میم کے بعد واؤ زیادہ ہوتا ہے اور میم مضموم ہو جاتا ہے جیسے قَتَلْتُمُوْ هُمْ اَكَلْتُمُوْهَا اور کبھی واحد مؤنث حاضر کی تاء مکسورہ میں آیا ہے جیسے لَوْ قَرَأتِيْهِ لَوَجَدْ تِيهِ.

سوال: اَنُلْزِمُكُمُوْهَا (پارہ:۱۲) کیا ہے؟

جواب: برادر صیغہ نُلْزِمُ نکرم کے وزن پر ہے بس شروع میں ہمزۂ استفہام اور آخر میں کُمْ ضمیر مفعول ہے اس کے بعد مفعول ثانی ہاء کی وجہ سے واؤ زیادہ ہو کر میم مضموم ہو گیا۔

سوال: عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ (پارہ:۱۹) میں اَنْ کی وجہ سے سیکون منصوب ہونا چاہئے یہاں مرفوع کیوں ہے؟

جواب: برادر عزیز! یہاں اَنْ ناصبہ نہیں ہے بلکہ اَن مشبہ بالفعل کا مخفف ہے تم نے قاعدہ پڑھا ہو گا کہ یہ اَنْ علم وظن کے بعد آتا ہے اور نصب نہیں کرتا۔

سوال: مِتْنَا (پارہ:۲۶) یہ کس کا صیغہ ہے؟

جواب: خِفْنَا کی طرح صیغۂ متکلم مع الغیر ہے یہ لفظ قرآن مجید میں ماضی سَمِعَ اور مضارع نَصَرَ سے مستعمل ہوا ہے۔

سوال: فَمُبْجَسَتْ (پارہ:۹) کیا چیز ہے؟

جواب: باب انفعال سے انفطرت کی طرح صیغہ واحد مؤنث غائب ماضی معروف ہے ہمزہ درمیان میں آنے کی وجہ سے گر گیا اور نون ساکن اس کے بعد باء ہونے کے باعث میم سے بدل گیا۔

سوال: تَنَزَّلُ الْمَلٰئِكَةُ (پارہ:۳۰) میں تنزل ماضی تفعل پر ضمہ کیسے آ گیا؟

جواب: برادر یہ ماضی کا صیغہ نہیں بلکہ تفعل سے مضارع کا صیغہ ہے اصل میں تَتَنَزَّلُ تھا اور قاعدہ ہے کہ باب تفعل وتفاعل کی ایک تاء کو حذف کر دیتے ہیں۔

سوال: يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ (پارہ:۲۷) میں الدَّاعِ کس کا صیغہ ہے؟

جواب: یہ اسم فاعل کا صیغہ داعی ہے اور یاء اس کے قاعدہ کے تحت ساقط ہو گئی کہ اسم معرف باللام کے آخر کی یاء کبھی حذف کر دیتے ہیں۔

سوال: وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ (پارہ:۲۷) میں الجوار کیا ہے؟

جواب: عزیزم اصل میں الجَوَارِیُ تھا اسی قاعدہ سے جو ابھی بیان کیا ہے یا حذف کردی گئی۔

سوال: یَوْمَ التَّنَادِ (پارہ:۲۴) میں التناد کیا ہے؟

جواب: یہ باب تفاعل کا مصدر ہے اصل میں اَلتَّنَادُیُ تھا، یاء ماقبل کسرہ چاہنے کی بنا پر ضمہ، دال کو کسرہ سے بدل کر یاء ساکن ہوگئی اور مذکورہ قاعدہ سے یاء گر گئی

سوال: خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (پارہ:۳۰) میں دَسّٰهَا ہفت اقسام میں کیا ہے؟

جواب: دسیٰ اصل میں دَسَّسَ تھا مضاف کے آخری حرف کو حرف علت سے بدل دیا لہٰذا یہ ناقص ہوگیا۔

سوال: استاذ محترم فظلتم تفکھون (پارہ:۲۷) میں فَظَلْتُمْ کس باب سے ہے؟

جواب: عزیزم! باب سمع سے جمع مذکر حاضر ماضی معروف اور مضاف ہے اصل میں فَظَلِلْتُمْ تھا عرب کا قاعدہ ہے کہ مضاعف کے دو حرفوں میں سے ایک کو کبھی حذف کردیتے ہیں اس لئے لام اول کو حذف کردیا اور کبھی لام اول کی حرکت ظاء کی طرف نقل کرکے فِظَلْتُمْ بکسر ظاء کہتے ہیں۔

سوال: وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ (پارہ:۲۲) میں قَرْنَ کیسے بنا؟

جواب: بعض مفسرین کے مطابق اصل میں اِقْرِرْنَ تھا مذکورہ قاعدہ کے مطابق پہلی راء کی حرکت نقل کرکے ماقبل کو دیدی اور اس کو حذف کردیا ہمزہ وصل کی ضرورت نہ رہی اس لئے وہ بھی گر گیا قَرْنَ ہوگیا۔

سوال: مِنْ وَّرَاءِ الحجُرَاتِ (پارہ:۲۶) میں حجرات کیا ہے؟

جواب: حجرات حجرۃ کی جمع ہے، واحد میں عین کلمہ ساکن ہے جمع میں جیم کو ضمہ اس قاعدہ سے دیا گیا ہے کہ فُعْلٌ بالضم مؤنث فُعْلَةٌ کے عین کو الف اور تاء کے ساتھ جمع بناتے وقت ضمہ دیدیتے ہیں فتحہ بھی جائز ہے۔

معلومات نافعہ

مفرد تین چیزوں کے مقابلہ میں آتا ہے، (۱) تثنیہ جمع (۲) مضاف (۳) مرکب
(تحریر سنبٹ ص: ۳۰)

جن معرفوں پر ''الف لام'' نہیں آتا

شُعُوْبُ بمعنی موت هُنَيْدَة سواونٹ کی جماعت کو کہتے ہیں حُضَارهُ دریا کا نام ذُکاء سورج کو کہتے ہیں اُسامهُ شیر کو کہتے ہیں شبْوَة پیلا چھوٹا بچھو كَحَلُ قحط سالی يَوْمَ عَرَفَةُ دجلة یوم عَرُوْبَة جمعہ کا دن كُلّ بعضٌ علامہ سیوطی اور ابن خالویہ اپنی کتاب لیس میں کہتے ہیں کہ عوام اور بہت سے خواص اَلْكُلُّ اَلْبُعْضُ استعمال کرتے ہیں حالانکہ درست كُلُّ وَبَعْضٌ ہے اسی طرح لحوةٌ شمال کو کہتے ہیں كافَّة غَيْرُ قاطِبَة.

صیغہ مفعول فاعل کی شکل میں

اہل عرب کہتے ہیں سِرٌّ كاتِمٌ یعنی سِرٌّ مَكْتُوْمٌ اسی طرح مکان عامِرٌ ای مَعْمُوْرٌ اور اللہ تعالیٰ کا قول خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ای مدفوقٌ وَقال تعالیٰ فی عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ای مرْضيّة وَحرماً امِنًا ای مَامُوناً وغیر ذالک (الطریف ص:۱۸)

فاعل مفعول کی شکل میں

اللہ تعالیٰ کا قول كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا بمعنی اٰتِيًا پ۱۵/اسی طرح حجاباً مَّسْتُوراً بمعنی ساتراً پ۱۶/ (حوالہ مذکورہ)

وہ الفاظ جن کی جمع نہیں آتی

بَشَرٌ مفرد بَشَرانِ تثنیہ اِمْرَةٌ اِمْرأتانِ مَرْءٌ مَرْأٌ اِنِ ان سب کی جمع اس لفظ سے نہیں آتی۔ (ایضاً ص:۸)

وہ الفاظ جن کی تثنیہ نہیں آتی

بطلیوسی نے ''شرح الفصیح'' میں کہا ہے کہ وہ الفاظ جن کی تثنیہ نہیں آتی ان میں سے سواء مفرد اور جمع سواسیہ ہے اس کی تثنیہ نہیں آتی اسی طرح ضبعان مذکر کے لئے (نو بجو) ضباعِین جمع اس کی تثنیہ نہیں آتی اسی طرح علامہ سیوطی نے المزہر میں بیان کیا ہے۔

(الطریف ص:۸)

وہ الفاظ جن کی تثنیہ اور جمع نہیں آتی

ان میں سے اَلیَمُّ (سمندر) الدَّبُور (ریح) القبول (دبور کی ضد) العرق (عرق الانسان) ان کی نہ تثنیہ اور نہ جمع سنی گئی علامہ سیوطی اور ابن خالویہ نے اپنی تصنیف ''لیس'' میں لفظ واحدٌ کو بھی شمار کیا ہے مگر کمیت شاعر نے واحد کی جمع بتلایا ہے اور بعض نے تثنیہ کے دلیل میں یہ شعر پیش کیا ہے..........

فلما التقینا واحدین علوته
بذی الکف انی للکماۃ ضروب

علامہ عبدالاول جونپوری صاحب الطریف کہتے ہیں کہ لفظ واحد کی جمع وحدان اسی طرح اُحدان جیسے شابٌّ کی جمع شبان اور راعِ کی جمع رُعیان آتی ہے فراء نحوی نے بھی واحد کی جمع بتلایا ہے جیسے انتم حیّی واحد حیّی واحدون جیسے شرذمۃٌ قلیلونَ.

(الطریف ص:۸)

وہ تثنیہ جن کا اس لفظ سے واحد نہیں آتا

کلا (مذکر کے لئے) کِلتا (مؤنث کے لئے) اثنتان (مونث کے لئے) اثنان (مذکر کے لئے) انثیان (مؤنث کے لئے) ملوانَ (روز وشب) اَصدَغان (کنپٹی کے نیچے کی رگیں) اصدَریہ (فارغ) لبیّک (کسی کام کے لئے حاضر رہنا) سَعدَیک (تابعداری حکم کو بجالانا) حَوالَیک حنانیک دوالیک وغیرہ ان مذکورہ الفاظ کا واحد نہیں آتا۔

(الطریف ص:۹)

وہ الفاظ جو الف ممدودہ میں واحد اور الف مقصورہ میں جمع

ان الفاظ میں سے صَحُراء صَحاریٰ (جنگل) عَذُراء عذاریٰ (باکرہ) صَلُفاء صلافیٰ (سخت زمین) خَبُراء خباریٰ (تر زمین) سبتاء سباتیٰ (سخت زمین) سخواء سَخَاویٰ (کشادہ زمین) مَرُداء مرادیٰ (بنجر زمین) زَهُراء زَهاریٰ (روشن چمکدار) (فراء نے کہا ہے کہ ان میں سے) وَحُفاء وحافیٰ (پتھریلی زمین) اور امالی ثعلب میں ہے نبخاء بناخیٰ (تنگ) نَفُخَاء نَفاخیٰ (بیابان) فیُفاء فیافیٰ چکنا پتھر۔

(الطریف ص:۹)

وہ جمع جن کا من لفظہ واحد نہیں

العصابة (جماعت) الاعراب (دیہاتی) النساء (خواتین) النَعَم (اونٹ) الغَنم (بکری) البشر (انسان) الخیل (گھوڑا) الابل (اونٹ) المثؤل (شہد کی مکھی) العرم العالم الرهط (قوم) النضر (قوم) المعشر (جماعت) الجند (لشکر) الفور (ہرنیاں) الدَّیر (شہد کی مکھیوں یا بھڑوں کا جھنڈ) الجیش (لشکر) الثلثة (گروہ) المساوی (برابر) المحاسِن (خوبصورتی وکمالات) اُولو (والا) الهزاهدُ (سختیاں) الممادِحُ (تعریف) المقابح (برائی) الخناسیر (مصائب) القوم الناس (لوگ) اَثَاثٌ (سامان) الرکاب (سواری کے اونٹ) اَلاَرُجابُ (آنتیں) وغیرہ

(الطریف ص:۹)

وہ الفاظ جن کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے

ان میں سے الفلک ہے قرآن کریم میں فی الفلک المشحون. والفلک التی تجری فی البحری. الجنبُ بولا جاتا ہے۔ رَجُلٌ جنبٌ رِجَالٌ جنبٌ قرآن کریم میں وان کنتم جنباً فاطهروا العدوٌّ فانهم عدوٌّ لی الاّ رب العالمین اِنُ کانَ مِن قوم عدوٍّلکم وهومومنٌ الضیف (مہمان) هٰولاء ضیفی فلاتفضحون الرسول القزم (عاجز فرد ما لگان) الدِبُرَ (مال کثیر) مذکورہ الفاظ واحد اور جمع دونوں میں استعمال ہوتے ہیں جیسا کہ مثالوں سے واضح ہے۔ (الطریف ص:۱۰)

واحد اور جمع کے درمیان صرف ہاء کا فرق

وہ الفاظ جن کے واحد اور جمع کے مابین امتیاز صرف ہاء (ہ) سے ہوتا ہے یعنی واحد میں (ہ) اور جمع بغیر (ہ) کے یہ الفاظ جمع مذکر اور مؤنث دونوں طرح مستعمل ہیں۔ ان میں تَمر ،تمرۃٌ (کھجور)سحابٌ سحابۃٌ (بادل)صخر صخرۃٌ(چٹان)روْض روْضۃٌ (باغ) شجر شجرۃ (درخت) نخل نخلۃٌ (کھجور کا پیڑ) قرآن میں والنخل باسقاتٍ لها طَلعٌ نضید السحابِ المسخر بین السماء والارض (اس آیت میں سحاب مذکر استعمال ہوا ہے جب کہ دوسری آیت حتیٰ اذا اقَلّت سحاباً میں مؤنث آیا ہے) پھر ثم سقناہ لبلد میتٍ میں سحاب اصل مذکر کی طرف لوٹا دیا گیا۔ ثعالبی نے بیان کیا ہے شیخ عبدالاول جونپوری کہتے ہیں کہ ان الفاظ سے بقر بقرۃ لوزٌ لوزۃٌ (بادام) در درۃ (موتی) جزرٌ جزرۃٌ (حلال جانور) سروٌ سروۃٌ (سخاوت) مرْوٌ مَرْوۃٌ (سفید پتھر) نمل نملۃ (چیونٹی) وغیرہ (الطریف ص:۱۱)

جمع الجمع

تمام جمع کی جمع نہیں لائی جاتی بلکہ بعض جمع الجمع ہوتے ہیں چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں کہ جمع اعرابٌ ،جمع الجمع اعاریب ،جمع ،اَغْعطِیَۃٌ ، جمع الجمع اعطیاتٌ۔

جمع	جمع الجمع	جمع	جمع الجمع
اَسْقَیَۃٌ	اَسقیاتٌ	طُرُقٌ	طُرُقاتٌ
جمَالٌ	جَمَالاتٌ	اَسْوِرَۃٌ	اَساوِرُ
اَقْوَامٌ	اقَاوِم	اَسْرارٌ	اسَارِیْرُ
اَقْوالٌ	اقاویل	ابیاتٌ	ابابیتُ
جُمْهورٌ	جماهیر	اَکْلُبٌ	اکالبُ

ان کے علاوہ اور بھی جمع الجمع ہیں البتہ یہاں نمونہ کے طور پر تحریر کئے گئے ہیں۔ مرتب

(الطریف ص:۱۰)

وہ الفاظ جو جمع کے وزن پر آتے ہیں مگر اس کا واحد نہیں

خَلابِیْس (بے نظام شئی) مَعالِیْق (کھجور کی ایک قسم) اَیَافِثُ (یمن کی ایک جگہ کا نام) اَثَارِبُ (ملک شام کی جگہ کا نام) معافِر (یمن کا علاقہ) اَلْهزَاهِز (سختیاں) اَلذَّعَالِیْبُ (کپڑوں کا کنارہ) التَّعاجِیْبُ (عجائب) شَعَاءِ یُر (منتشر) المقَالِیْد (کنجیاں) المعائب (عیوب) المسامّ (بدن کے سوراخ) اُلاباسق (قلادہ) النّماسِی (حوادث) مذکورہ الفاظ کے واحد نہیں آتے۔ لایعرف له واحد (الطریف ص:۱۱تا۱۲)

وہ الفاظ جن کی جمع مشہور ہے اور ان کا واحد مشکل ہے

جمع	واحد	معانی
الذَّرارِیْحُ	ذُرَّاحُ. ذرّوحٌ	(اڑنے والا زہر دار کیڑا
الغرانِیْقُ	غرنیق	(پانی کا پرندہ مرد کی صفت غرنوق آئیگی)
شَمائِل	شمال	(عادات خصلت)
الزَّبانِیَة	زَبْنِیَةٌ	(وہ فرشتے جو گنہگاروں کو جہنم کی طرف لے جائنگے)
المذاکیر	ذَکَرُ	(عضو تناسل)
فرادیٰ	فرْد	(ایک آدمی)
سواسیةُ	سواءٌ	(برابر)
مشایخ	شیخ	عظیم المرتبت شخص
اَبابِیْل	اِبوَّل، اِبِیْل	(غول کے غول پرندے)
خلائق	خَلِیْقةٌ	(طبیعت، مخلوق)

(الطریف ص:۱۲)

تثنیہ کا استعمال جمع کے لئے

شعبی نے ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان کی مجلس میں دوران گفتگو کہا رَجُلانِ جاؤنی (میرے پاس دو آدمی آئے) خلیفہ عبدالملک نے کہا اے شعبی آپ نے غلطی کی۔ جواب میں شعبی نے کہا اے امیر المومنین! کوئی غلطی نہیں کیونکہ اللہ عز وجل کا قول ہے ھٰذَانِ خصمانِ اختصمُوا فِیْ رَبِّھِمْ (یہ دونوں جھگڑ رہیں اپنے رب کے بارے میں) مذکورہ آیت میں ھٰذان تثنیہ ہے اور فعل اختصموا جمع لایا گیا ہے اس سے واضح ہے کہ تثنیہ کا استعمال جمع کے قائم مقام ہوتا ہے امام شعبی کی اس دلیل سن کر عبدالملک نے کہا اللہ ہی کے لئے خوبیاں ہیں اے بصرہ وکوفہ کے فقیہ: آپ نے ہمیں مطمئن کر دیا۔

(الطریف ص:۲۰)

صفت کی تذکیر و تانیث کا اہم قاعدہ

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تصنیف ''المزہر'' میں ابن السکیت لغوی نے ''الاصلاح'' میں تبریزی نے ''تہذیب'' میں اور ابن قتیبہ نے ''ادب الکاتب'' میں لکھا ہے کہ جس مؤنث کی صفت ''فَعِیلٌ'' کے وزن پر ہو اور وہ مفعول کی تاویل میں ہو تو وہ صفت مؤنث بغیر ہاء (تاء کے ہوگی جیسے کفٌّ خضیبٍ مِلْحَفَة غسیل دونوں مثالوں میں موصوف مؤنث ہے اور صفت چونکہ فَعِیْلٌ کے وزن پر ہے اس لئے بغیر تاء کے آئی ہے اور اگر وہ صیغۂ فَعِیْلٌ (مؤنث کی صفت) فاعل کے معنی میں ہو تو وہ صیغۂ صفتِ مؤنث تاء کے ساتھ ہوگا مثلاً شر کفۃ. رحیمةٌ کریمةٌ اور اگر صیغۂ صفت مؤنث فَعُولٌ کے وزن پر ہو اور فاعل کے معنی میں بھی ہو وہ صیغۂ فَعُولٌ لغیر تاء کے ہوگا جیسے اِمْرأ ةٌ صَبَورٌ شکورٌ وغُدوُرٌ و کَنُوْدٌ و کَفورٌ وغفورٌ ۔مذکورہ صیغۂ صفت تانیث فعولٌ کے وزن پر فاعل کے معنی میں ہیں اس لئے بغیر تاء کے تمام صفتیں آئیں اور جو صفت تانیث مِفْعِیلٌ کے وزن پر ہو تو وہ بھی بغیر تاء کے واقع ہوگی جسے اِمْرَأةٌ مِعْطیرٌ اس میں صفت بغیر تاء کے ہے اور جو صفت تانیث مِفْعالٌ (اسم آلہ) کے وزن پر ہو تو وہ بھی بغیر تاء کے واقع ہوگی

جیسے امرأةٌ معطارٌ ومحمالٌ وغیرہ اور جوصفت تانیث مُفْعِلٌ کے وزن پر ہواور وہ کسی مذکر کی صفت نہ بن سکتی ہے تو وہ صفت مونث بھی بغیر تاء کے ہوگی جیسے امرأة مرضِعٌ (دودھ پلانے والی عورت) اور جوصفت مؤنث فَاعِلٌ کے وزن پر ہواور وہ کسی مذکر کی صفت نہ بن سکتی ہوتو وہ بھی بغیر تاء کے ہوگی جیسے حائضٌ طالقٌ طامثٌ حامل مذکورہ صفات مؤنث کے ساتھ خاص ہیں البتہ فعل مراد لینے پر وہ صفت تاء کے ساتھ طالقةٌ حاملةٌ آئیگی نیز علاوہ ازیں فَاعِلٌ کے وزن پر آنے والی چند صفتیں بغیر مذکر ومونث دونوں میں مستعمل ہیں مذکر ومونث کے مابین تاء کا امتیاز نہیں ہوتا، جیسے حملٌ ضامرٌ ناقةٌ ضامرٌ رجل عاشقٌ امرأة عاشقٌ عاشق عورت مذکورہ مثالیں فاعلٌ کے وزن پر صیغہ صفت مذکر مؤنث دونوں میں بغیر تاء کے مستعمل ہے۔ (الطریف ص:۱۵تا۱۶)

بغیر تاء کے مؤنث کی صفت

جارِیةٌ کاعبٌ وناھدٌ امرأةٌ طامثٌ ودارسٌ وحائضٌ (سب کے معنی حائضہ کے ہیں) امرأة قاعدٌ (جب کہ حیض اورولادت سے عورت فارغ ہوجائے) امرأة مذکر (جب کہ عورت مذکر بچے کوجنم دے) امرأة مؤنثٌ (جب عورت لڑکی کوجنم دے) اسی طرح ثاکِلٌ (بچہ کوگم کرنے والی) خُودٌ ورداحٌ (بڑی سرین والی عورت) اُمْلودٌ عُطبولٌ (دراز گردن عورت) رشُوق (طیبہ الفم) انوفٌ (خوددار عورت) شموعٌ (ہنسی مذاق والی عورت) عروبٌ (نافرمان عورت) رصُوقٌ (تنگ شرمگاہ والی عورت) نکوعٌ (پستہ قد) عفیرٌ (وہ عورت جو پڑوسن کوہدیہ نہ بھیجے) لَفُوتٌ (وہ عورت جس کی نگاہ ایک جگہ نہ ٹھہرے) برُوکٌ (وہ عورت جوشوہر سے لپٹے اوراس کالڑکا جوانی کوپہنچ جائے) فاقِدٌ (عورت کاشوہر یالڑکا گم ہوگیاہو) عوانٌ (درمیانہ سال والی) نزورٌ (کم اولاد والی عورت) عوکَلٌ (بیوقوف نادان) بغِیٌ (زانیہ) ھَلُوکٌ (تاجرہ) رقوبٌ (جن کے بچے زندہ نہ رہتے ہوں) حامِلٌ (حاملہ) طاھرٌ (حیض سے پاک ہونے والی عورت) مذکورہ صفات کی مؤنث بغیر تاء کے ہے۔ (الطریف ص:۱۵)

مذکر کلمات (اعضاء جوارح)

رأس (سر) جَبین (پیشانی) معاذ (آنت) الثغر (اگلا دانت) الشعر (بال) المنخر (ناک) البطن (پیٹ) الفم (منہ) ظفر (ناخن) نابٌ (کچلی کے دانت) خَدٌّ (رخسار) الثدیُ (پستان) الشبر (بالشت) ناجذٌ (داڑھ) الباع (دونوں ہاتھوں کے پھیلانے کی مقدار) الذقَنُ (تھوڑی) یعنی چند اعضاء جوارح عموماً مذکر ہیں۔

(الطریف ص:۱۳)

وہ الفاظ جن کا واحد مشہور اور جمع غیر مشہور

واحد	جمع	معنی
زینب	زیانبِ	ایک خوشبودار خوش منظر درخت
دخانٌ	دواخنٌ	دھواں
دنیا	دُنیٰ	قریب
ستٌ	اسداسٌ	چھ
سُدُس	اسداسٌ	چھٹا
حظٌّ	حظوظٌ	حصے
سَبتٌ	سُبُوت، اسبتٌ	سنیچر
اَلاَحد	آحاد	اتوار
الاثنین	اثانین	پیر (سوموار)
الثلاثاء	ثلاثاوات	منگل
الاَربعاء	اربعاوات	بدھ
الخمیس	اخمساء، اخمسة	جمعرات
الجمع	جمعٌ، جمعاتٌ	جمعہ

المحرم	محرمات	محترم،حرام
صفر	اَصْفَارٌ	تمام گھر اہل خانہ سے خالی ہو جاتے تھے
ربیع	شهور ربيع	موسم بہار
جُمَادیٰ	جُمَادِیات	سخت سردی کے سبب پانی جم جاتا تھا
رجب	ارجَابٌ	عظمت والا
شعبان	شعبانات	عرب کے قبائل ادہرادھر منتشر ہو جاتے تھے
رمَضَان	رمَضَانات	گرمی کی شدت
شوال	شوالات.شواويل	دودھ دوہتے وقت اونٹ کا دم اٹھانا
ذوالحجة	ذوات الحجة	حج والا
ذوالقعده	ذوات القعدهِ	بیٹھ جانا لڑائی سے رک جانا
امر	اوامر	احکام نوٹس
دكان	دكاكين	دکان
حانوت	حوانيت	شراب بیچنے والے کی دکان
حائط	حيطان	دیوار
حوت	حِيتان	مچھلی
نون	نينان	مچھل
عِهْن	عهون	اون
جَنِيْن	اَجِنَّة	پیٹ کے بچے
جنَّة	جِنَانَ جنَّات	باغ جنت
نار	نيران	آگ
ساعةٌ	ساعٌ	گھنٹہ

زُنبور	زَنابیر	بھڑ
یربوع	یرابیع	ایک قسم کا چوہا جس کی اگلی ٹانگیں چھوٹی اور پچھلی بڑی
جُنَّة	جُنَن	ڈھال
ساحةٌ	ساحٌ	گوشہ مکانوں کے درمیان کا چوک

(الطریف: ص ۱۲ تا ۱۳)

التخصیص بعد التعمیم

اہل عرب بسااوقات کسی شئی کو عموماً ذکر کرتے ہیں پھر افضل فافضل کے ذریعہ خاص کردیتے ہیں اسی کو اصطلاح میں تخصیص بعد التعمیم کہتے ہیں چنانچہ عرب حضرات بولتے ہیں جاء القومُ والرئیس والقاضِیُ۔ قرآن کریم میں حافظوا علی الصَّلواتِ والصَّلواةِ الوُسطیٰ (نماز کی مداومت کرو بالخصوص عصر نماز کی) اسی طرح فیها فاکهة ونخلٌ ورمان (اس میں میوے ہیں کھجور اور انار) نیز کلام باری میں ہے مَنْ کَانَ عَدُوّاً لِلّٰہ ومَلٰئکتهٖ ورَسُلِهٖ وجبرئیل ومیکال (جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور فرشتے جبرئیل ومیکائیل کے دشمن ہیں) پہلی مثال میں قوم میں سب ہی داخل ہیں مگر الگ سے رئیس قاضی کا خصوصیت سے تذکرہ ہوا دوسری مثال میں صلوات میں تمام نمازیں شامل ہیں اس کے باوجود صلوٰۃ وسطیٰ کو علیٰحدہ سے ذکر کیا تیسری مثال آیت شریفہ میں نخلٌ ورمانٌ کا انفرادی طور پر ذکر کیا گیا جب کہ فاکھۃٌ میں یہ داخل ہے نیز جبرئیل ومیکال کا انفرادی طور پر ذکر ہوا حالانکہ ملائکہ میں یہ داخل ہیں یہ سب تخصیص اور تفصیل کے طور پر ذکر کئے گئے یہی تخصیص بعد التعمیم ہے۔ (الطریف ص: ۲۰ تا ۲۱)

مؤنث کلمات (اعضاء جوارح)

السَّاق (پنڈلی) الاذُنُ (کان) الفَخذُ (ران) الکبدُ (جگر کلیجہ) القَلْبُ (دل) الضِلَعُ (پسلی) الزَّندُ (ہاتھ کا گٹا) الکفُ (ہتھیلی) العَجزُ (سرین) العینُ (آنکھ) العَرَقَبُ (ایڑی) السِنّ (دانت) الکرش (اوجھ) قدم (پیر) یدٌ (ہاتھ) ورکٌ (سرین) الشمال (بایاں) یمن (دایاں) اصبعَ (انگلی) الکراعُ (پنڈلی)

(الطریف ص: ۱۳ تا ۱۴)

وہ الفاظ جن کا اطلاق مذکر و مؤنث دونوں پر ہوتا ہے

ثیبٌ، بکرٌ زوجٌ ، ایِمٌ، بعلٌ،(شوہر)ظینرٌ (دایہ)طاھرٌ ناکحٌ حمامٌ بطٌ قمری،قطا نحلٌ مسکینٌ،بقرةٌ ضبع (بجو)فیل قزمٌ(کمینہ)عیثوم (بوڑھا اونٹ) جوادٌ (سخی) زورٌ (زیارت کرنے والے)قنعان (قانع)تربوت (ذلیل)حباری (سرخاب)رسول حضارٌ(شہری)اذنبٌ (خرگوش)فاروق کفودٌ(ناسپاس)صداق اسی طرح علامة ضرابٌ طلوبٌ فروقةٌ مفضال منطیق شریرٌ طُوالٌ ضُحکةٌ صدیق نیز شابٌ املودٌ وجاریة اُملودٌ (ای ناعمةٌ) العالس (وہ باندی جس کی شادی نہ ہوئی ہو) رجلٌ عالسٌ بھی کہا جاتا ہے بعیرٌ ظھیرٌ (ای قوی) وناقةٌ ظھیرٌ (بغیر تاء کے)رجلٌ رقوبٌ امرأةٌ رقوبٌ جملٌ ضامرٌ ناقةٌ ضامرٌ کماقال العلامة السیوطی.

(الطریف ص:۱۴تا۱۵)

متضاد کلمات

لیلٌ ونھارٌ(شب وروز)سکرٌ وصحُوٌ(نشہ وعدم نشہ)حارٌ وباردٌ (ٹھنڈا گرم) رَطبٌ ویابسٌ (سوکھا گیلا)سخاوة بخل ، ضعفٌ وقوة ، حیوٰة وممات، ذکر وانثیٰ ،صدق و کذب ، حق وباطل، طیب وخبیث، کبیرٌ وصغیرٌ، حلالٌ وحرامٌ جوعٌ وشبعٌ (بھوکا پیٹ بھرا)عطشان وریاّن (پیاسا وسیراب)غداة وعشی (دن رات کا طعام)علم وجھل ،غدوّ واصال (صبح وشام)خمسٌ وقدحٌ ،صبیح ملیحٌ ، سخط و رضا، سراء وضراءَ(خوشحالی وبدحالی)حزن وسرور برو بحر، حروعبد، مسافرو مقیم ،سھادٌ ورقادٌ (سونا وجگنا)ظاعنٌ وقاطنٌ (سفارت اقامت)حضر وسفر، خیرٌ وشرٌ شابٌ وشیخٌ رجلٌ وامرأةٌ ،حیّ و میتٌ، ضیاء وظلام (روشنی وتاریکی)ضوء وظلمة ، ابن وبنتٌ ، وغیرہ ذلک.

(الطریف ص:۴۷)

وہ فعل جو متعدی ہوتے ہیں اور غیر متعدی بھی

ان میں سے لفظ النقص (زیادہ کی ضد ہے) انزفتَ البئرَ . فنزفتْ هيَ . سرحتُ الماشية وسرحتْ فغرفاه (کھولنا) فغرفوه درس الرسمُ ودَرَسْته الريحُ (اول غیر متعدی دوسرا متعدی) غاضَ السقاء (غیر متعدی) وغاصه الله (متعدی) كسفتِ الشمس وكسفها الله عفا المنزل وعفته الريح وخسفَ المكان وحسفه الله لشر الشئی ولشره الله كفه عن الشئی فكفَّ شجبه الله فشجبَ (ہلاک وغمگین) مذکورہ افعال متعدی اور غیر متعدی دونوں طریقے سے مستعمل ہیں جیسا کہ مثالوں سے واضح ہے اس کی نظیریں کافی ہیں یہاں استحصاء ممکن نہیں۔ (الطریف ص:۵۶)

وہ اسماء جن سے فعل نہیں بنتے

الحجىٰ (عقل) الويل ،الويح ، الوَيْس ،الويب ،الحزد ، المرواة ، الندل ، (میل کچیل) الوطر (حاجت) الهتف (ہلاک) المزية لبطريق ، (فریبی آدمی) الهمام (بہادری وسخی مرد) وغیرہ ان مذکورہ کلمات سے افعال صادر نہیں ہوتے۔ (الطریف ص:۵۶)

خلاف قیاس جمع

جمع	واحد	جمع	واحد	جمع	واحد
صَدَائِدُ	صِداذٌ	فُرادىٰ	فَرْدٌ	لَيَالٌ	لَيلٌ
اَبَاطِيلُ	بَاطِلٌ	اَهَبٌ	اِهَابٌ	خَمِيْرٌ	حِمَارٌ
اَحَادِيْثُ	حَدِيْثٌ	اَسِدَّةٌ	سِدَّةٌ	مَوَاجِيْدُ	وَجْدٌ
اَمْكُنٌ	مَكَانٌ	اَهَالٌ	اَهلٌ	مَذَاكِيْرٌ	ذِكرٌ
اَرَاهِطُ	رَهْطٌ	بِطَاحٌ	اَبْطَحٌ	ارْبعاوات	اَرْبَعاءٌ
اَقَاطِيْعُ	قَطِيْعٌ	سَنَابِلٌ	سُنْبُلٌ	عدىٰ	عَدُوٌّ
آحاظٌ	حَظٌّ	دُنىً	دُنْيا	عَمَدٌ	عُمُوْدٌ

اَکاسِرَة	کِسریٰ	جَیائدٌ	جَیِّدٌ	مَناکِیرُ	مُنکَرٌ
اَقْوُسٌ	قَوْسٌ	حِجارَةٌ	حَجَرٌ	ظُلَمٌ	ظُلْمَةٌ
اَثْوُبٌ	ثَوْبٌ	حوائجُ	حاجَةٌ	سَواسِيَة	سَواءٌ
اَعْيُنٌ	عَيْنٌ	ذَكارَةٌ	ذكرٌ	زَبَانِيَة	زَبْنِيَة
اَسْقِيٌ	سَقِيٌّ	دوَاخِنٌ	دُخانٌ	نِينانٌ	نُونٌ
اَعَارِيْضُ	عَرُوْضٌ	شَمَائِلُ	شِمَالٌ		
اٰدَمٌ	اَدِيْمٌ	زَيَانِيْبُ	زَيْنَبُ		

محشی شرح جامی کا سہو

شیخ عصام الدین ابراہیم اسفرائنی محشی شرح جامی کہتے ہیں کہ علامہ ابن حاجب صاحب کافیہ عنفوان شباب ہی میں قتل کر دیئے گئے چنانچہ محشی الشیخ ابن الحاجب کے تحت لفظ شیخ کی تحقیق فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں ''الشیخ فی القاموس من استبانت فی السن اومن خمسین الی آخر عمرہ اذا المشھور قتل شاباً'' (فوائد ضیائیہ ص:۳۰) راقم الحروف کہتا ہے کہ شیخ عصام الدین کا قول تلاش بسیار کے باوجود دوسری جگہ نہیں ملا چنانچہ راقم کے زیر مطالعہ کتب تاریخ کشف الظنون ابجد العلوم، ابن خلکان حبیب السیر شذرات، جامی ،فہرست ندیم وغیرہ رہیں لیکن یہ قول کہیں نہ ملا معلوم نہیں محشی کو کہاں سے سہو ہو گیا اور تحریر کر دیا۔ طرفہ کی بات تو یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں ابن حاجب کا عنفوان شباب میں قتل ہونا مشہور قول ہے اگر حقیقت میں یہ قول برحق ہوتا تو کوئی مؤرخ ضرور ذکر کرتے مگر سب ہی مؤرخ صاحب کافیہ کے متعلق وفات ۶۴۶ھ کے قائل ہیں تعجب ہے کہ محشی شرح جامی ابن حاجب کی وفات کے بابت صحیح قول سے واقف نہ ہو سکے، غرضیکہ ابن حاجب نے ۷۶ ربرس عمر پا کر اس دنیا کو خیر باد کہا لہٰذا جو صغر سن یا عنفوان شباب میں قتل یا انتقال کے قائل ہیں ان سے سہو ہو گیا ہے۔ (تاریخ نحویین للمؤلف زیر تحقیق)

نحوی فتاویٰ

علم نحو سے متعلق راقم الحروف کے نام مختلف مقامات سے نحوی استفتے موصول ہوئے تھے جن کے مدلل جوابات سپرد ڈاک کردیئے گئے تھے کچھ جوابات کی نقل مل جانے پر بعینہٖ ''نحوی فتاویٰ'' کے عنوان سے استفادہ کی خاطر شامل کتاب کئے جارہے ہیں۔

سوال :۔ کافیہ ص ۱۲ پر اَحمَر مثال کے متعلق اخفش وسیبویہ نحوی کا اختلاف ہے سیبویہ نحوی کہتے ہیں کہ یہ دو سبب وزن فعل اور وصفیت (جو لوٹ گئی) کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور اخفش نحوی کہتے ہیں کہ یہ منصرف ہے کیونکہ ایک سبب وصفیت ختم ہونے کے بعد "الزائل لا یعود" کے تحت نہیں لوٹے گی لہٰذا صرف ایک سبب وزن فعل رہا۔ ہمارا اعتراض یہ ہے کہ منصرف اور غیر منصرف کا حکم تو بعد کی بات ہے لفظ اَحمَر کا کلمہ کی اقسام سے نکلنا لازم آتا ہے اس لئے کہ وزن فعل تو صرف ایک سبب ہے اسم وغیرہ نہیں لہٰذا اخفش نحوی کا منصرف بھی ماننا کیسے درست ہوگا؟

المستفسر اظہار الحق بانکوی متعلم جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ یوپی

۹؍رجب ۱۴۲۳ھ۔ ۱۷؍ دسمبر ۲۰۰۲ء

جواب:۔ سلام مسنون:

آپ کا سوال کہ اَحمر اقسام کلمہ سے نکل رہا ہے وزن فعل تو ایک سبب ہے اقسام کلمہ میں سے نہیں۔ یہ غلط فہمی پر مبنی ہے حقیقت یہ ہے کہ احمَر مستقل اور خالص اسم نہیں بلکہ وصف پر مشتمل ہے لیکن غیر منصرف کیلئے ایسی اسمیت لازم نہیں اور اقسام کلمہ سے بایں طور نہیں نکل رہا ہے کہ یہ ایسا اسم ہے جو وصف کی شکل میں ہے اور وصفیت اسم ہوتی ہے یہ اور بات ہے کہ وہ علم بن جائے چنانچہ شارح ومحشی لکھتے ہیں کہ اسم جو فعل اور حرف کے مقابلے میں آتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ بلالحاظ صفت کے فقط ذات پر دلالت

کرتے جیسے رَجُل اور دوسری صورت جو ذات مع الصفت پر دلالت کرے جیسے اَحمر اَصْفَر، ضَارِب وغیرہ گویا کہ صفت اسم کی شاخ ہے لہٰذا آپ کا قول درست نہیں۔

محمد ہارون ثاقب القاسمی ۱۳/۸/۱۴۲۳ھ ۲/۱۰/۲۰۰۱ء

سوال: جسطرح "بعلبک" مرکب (منع صرف) سے قبل "بعل" بت کا نام اور "بک" بادشاہ کا نام تھا مرکب ہو کر بعلبک ہوگیا اسی طرح مع حوالہ یہ بتائیں کہ "حضرموت" مرکب سے قبل "حضر" اور "موت" کیا ہے کہ بعد میں دونوں کو ملا کر مرکب منع صرف بنادیا گیا۔

المستفسر: نثار احمد قاسمی مدرس جامعہ فرقانیہ سبیل السلام کرنپور بھاگلپور

۱۴۲۵/۳/۳۰ھ

جواب: خیریت ہے سوال کا جواب مدلل ملاحظہ فرمائیں: حَضُر بالفتح ثم السکون اور "مَوت" دونوں اسم (مصدر) ہیں، جو مرکب ہو کر ایک ہوگئے علامہ جوہری لکھتے ہیں حضرموت اسم بلد وقبیلة ایضا وھااسمان جعلا واحدا وکذالک فی سام ابرص ورامھرمز اسی طرح علامہ یاقوت الحموی کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اصلاً حضُر مرکب سے قبل فعل تھا لیکن بغرض تخفیف ضاد کو ساکن (مصدر) کردیا گیا ثم سکنت الضاد للتخفیف۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ ضاد کو ساکن نہ مان کر متحرک ہی رکھا جائے تب بھی اسمیت پر کوئی حرف نہیں آتا صاحب الصحاح کے قول سے تائید بھی ہوتی ہے وکلھم یقول بحضر فلان بالتحریک اسی وجہ سے نحویین نے حضر موت بسکون الضاد وبفتح الضاد دونوں درست قرار دیا ہے۔ نیز وجہ تسمیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فعل ہے اور موت اسم ہے تفصیل کیلئے تاریخ نحو دیکھئے۔ معجم البلدان ۲/۱۵۷، لسان العرب ۳/۲۱۸ بیروت

الجواب بعون اللہ۔ محمد ہارون ثاقب القاسمی ۲۷/مئی ۲۰۰۴ء

سوال: کافیہ ص ۵۸ پر قاعدون غلمانہ کو ضعیف کیوں قرار دیا گیا ہے اور اس صورت میں کیا ترکیب ہوگی جواب تحریر فرمادیں۔

المستفسر: اظہار الحق بانکوی متعلم خادم الاسلام ہاپوڑ یوپی

۹/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

جواب: علامہ ابن حاجب نے مذکورہ مثال کو ضُعْف سے تعبیر کیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل کی نسبت اسم ظاہر کی طرف ہو تو فعل یا شبہ فعل (اسم فاعل وصیغہ صفت) واحد لایا جاتا ہے تثنیہ جمع نہیں اسی کو صاحب شرح ہندی تحریر کرتے ہیں "الفعل اذا قدم علی الاسم لایثنی ولایجمع ، شیخ رضی لکھتے ہیں "الحاق علامتی التثنية والجمع فی الفعل المسند الیٰ ظاهر ضعيف" البتہ شیخ رضی ایک لطیف نکتہ رقم کرتے ہیں کہ اسم ظاہر کیطرف فعل جمع کی نسبت اسم فاعل کے مقابلہ زیادہ ضعیف ہے کیونکہ فعل میں واو اور الف اغلباً فاعل ہوتے ہیں اور اسم فاعل جیسے قاعدونَ میں تو اسمیں واو اور الف علامتی حروف ہیں حقیقتاً فاعل نہیں کیونکہ حالت نصب وجر میں بدل جاتے ہیں۔ ضعیف کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اسم ظاہر کی صورت میں فعل وشبہ فعل کا تثنیہ وجمع لانا۔ اس سے تعدد فاعل لازم آتا ہے ایک فاعل ضمیر۔ دوسرا فاعل اسم ظاہر جبکہ فاعل ایک ہوتا ہے "اجتمع فيه فاعلان فی الظاهر" اس کی ترکیب یہ ہوگی کہ "قاعدون" کی ضمیر سے اسم ظاہر کو بدل مانا جائے یا پھر شبہ فعل قاعدون کو خبر مقدم اور غلمانہ کو مرکب اضافی کر کے مبتداء موخر مانا جائے" تجعل المظهر بدلامن" شرح رضی ۳۹۱/۱ بیروت (یہ بصریین کے مسلک میں ہے ورنہ کوفیین کے یہاں ضعیف نہیں ہے)

محمد ہارون ثاقب القاسمی

۱۴۲۳/۱۸/۱۳ھ بمطابق ۲۰۰۲/۱۰/۲ء

سوال:۔ آپ کے نحوی فتاوے موصول ہوئے جوابات سے مطمئن ہوا۔ اس وقت ایک سوال یہ ہے کہ آپ نے اپنی کتاب میں " ترکیبات مشکلہ" کے تحت "لا الٰہ الا الله" کی ترکیب میں "الا" کو بمعنی "غیر" صفت مضاف کہا ہے حالانکہ "الا" کی وضع استثناء کے لئے ہوئی ہے اور "غَیر" کو صفت میں استعمال کرنے کے لئے چند شرطیں ہیں (۱) "الا" جمع کے بعد واقع ہو (۲) وہ جمع منکور ہو (۳) غیر محصور ہو۔ علامہ ابن حاجب لکھتے ہیں "اذا کانت تابعة لجمع منكور غير محصور" لہٰذا "غیر" کے معنی میں استعمال کرنا کیسے

صحیح ہے؟ نیز "الا" کو بمعنی "غیر" صفت مضاف قرار دیتے ہیں تو پھر لفظ اللہ پر مانع جر کیا ہے آپ مدلل و مفصل جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفسر۔اظہار احمد بانکوی متعلم جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ

۲/جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ

جواب:۔ سلام مسنون ! جواب ملاحظہ فرمائیں کتاب میں ذکر کردہ ترکیب میں "الا" کو "غیر" کے معنیٰ میں استعمال کرنے کی تمام شرائط موجود ہیں کیونکہ "اللہ" کا نکرہ وغیر محصور ہونا تو واضح ہے اور "اللہ" اگرچہ بظاہر جمع لفظی نہیں مگر یہ واحد جمع کے معنیٰ میں ہے گویا یہ "قومٌ نفرٌ" کی طرح اسم جمع ہے پھر یہ کہ نکرہ تحت النفی واقع ہے۔ابن یعیش نحوی یوں رقمطراز ہیں "ذلک اَنُ تکون بعد جمع او واحد فی معنی الجمع الخ" بطور استشہاد عمرو بن معدی کرب کا شعر ؎

کل اخ مفارقه اخوه

لعَمُر ابیک الا الفر قدانِ

"ای غیر الفرقدانِ "اس شعر میں دیکھئے کہ "الا" بمعنی "غیر" ہے جو جمع لفظی کے بعد واقع نہیں پھر بھی "غیر کے معنی میں ہے شرح المفصل ۸۹/۲۔۹۰،قاہرہ۔

علامہ آفندیؒ تحریر کرتے ہیں "ای مایدل عَلیٰ الجمعیة الخ" محرم آفندی ۴۳۴/۱۔

شیخ رضی فرماتے ہیں "اذاکانت تابعة لجمع منکور ای مایدل علی الجمعیة جمعاً کان کرجالٍ اولا کقوم ورهطٍ "شرح رضی ۲۴۵/۲ و ۲۴۶ بیروت۔مذکورہ عبارات وشواہد سے واضح ہے کہ لفظ "اللہ" معنی کے اعتبار سے جمع ہے "الا اللّٰہ" میں رفع ونصب دونوں حرکات درست ہیں مانع جر یہ ہے کہ "الا" غیر" کے معنی میں تعذر کے سبب لیا گیا حرکات میں کوئی تعذر نہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ معنوی تبدیلی سے یہ لازم نہیں آتا کہ لفظی وصوری تبدیلی بھی کی جائے چنانچہ اس کی نظیر سلم العلوم ص۱۰ کی عبارت "ویسمّٰی مَطلباً" آلۂ طلب کے معنی میں ہے جبکہ معنی کی رعایت سے مطلبا بکسر المیم ہونا چاہئے حالانکہ بالاتفاق بفتح المیم

پڑھا جاتا ہے نیز جو مباحث "لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا" میں ہیں وہی مباحث "لا الہ الا اللہ" میں بھی ہیں جیسا کہ یہ صاحب ہدایۃ النحو لکھتے ہیں وکذلک قولک لا الہ الا اللہ.

الجواب بعون اللہ

محمد ہارون ثاقب القاسمی

۱۴۲۳/۶/۲۷ھ بمطابق ۲۰۰۲/۹/۶ء

سوال:۔ محترم بھائی صاحب ایک سوال یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیت مبارکہ "والارض بعد ذلک دحٰھا" (النازعات) میں الارض مونث سماعی وجوبی ہے اوراس کے بعد آیت مذکورہ میں اسم اشارہ مذکر ذلک استعمال ہوا ہے اوراس کا مشارالیہ مؤنث ہے اسم اشارہ اور مشارالیہ میں مطابقت ضروری ہے اور یہاں اس کے برعکس اور خلاف ہے مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفسر: محمد میکائیل تابش بھاگلپوری

۱۸/ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ

جواب:۔ عزیزم آپ عربی دوم کے طالب علم ہیں بظاہر اشکال درست ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ذلک اسم اشارہ مذکر کا مشارالیہ " ارض" مؤنث سماعی وجوبی نہیں بلکہ "خلق السماء" ہے چونکہ اس آیت سے قبل "سماء" (آسمان) کا تذکرہ ہوا ہے یعنی تخلیق آسمان کے بعد چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ تحریر فرماتے ہیں "بعد ذلک ای بعد خَلْقِ السماء" تفسیر مظہری ۱۰/۱۹۱ دہلی۔ یہی جواب علامہ ابوحیان اندلسیؒ نے البحر المحیط، میں رقم کیا ہے اور تفسیر ابی سعود میں بھی اسی طرح ہے الحاصل اس کا مشارالیہ محذوف ہے اور مذکر ہے لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔

الجواب بعون اللہ

محمد ہارون ثاقب القاسمی

۲۰/ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ

عربی اعداد وشمار

عربی اعداد	اردو اعداد	عربی اعداد	اردو اعداد	عربی اعداد	اردو اعداد
عہ/	۱	عہ	۱۶	امار	۴۰۰
یاعصہ	۲	معہ	۱۷	صمار	۵۰۰
ے/	۳	معہ	۱۸	سمار	۶۰۰
للعہ	۴	للعہ	۱۹	معار	۷۰۰
صہ/	۵	عہ	۲۰	لمار	۸۰۰
ے/	۶	سہ	۳۰	لعار	۹۰۰
معہ	۷	للعہ	۴۰	الہ	۱۰۰۰
ملے/	۸	صہ	۵۰	اعہ//	۲۰۰۰
لعہ	۹	ے	۶۰	سہ//	۳۰۰۰
عہ	۱۰	معہ	۷۰	للعہ//	۴۰۰۰
اعہ	۱۱	لہ	۸۰	صہ//	۵۰۰۰
یعہ	۱۲	لعہ	۹۰	سہ//	۶۰۰۰
عہ	۱۳	۱/	۱۰۰	معہ//	۷۰۰۰
للعہ	۱۴	۲/	۲۰۰	مہ//	۸۰۰۰
رعہ	۱۵	سار	۳۰۰	لعہ//	۹۰۰۰
		عہ//	۱۰۰۰۰		

تمت الرسالة بعون الله تعالیٰ